مُطالعۂ قرآنِ حکیم

حصّہ دُوم : ایمانیات و اَبدی زِندگی

تالیف

خواجہ عبدالرحمٰن

تدوین

خواجہ محمّد صدیق

اُردُو اکیڈمی سِندھ کراچی

بسم الله

الرحمن الرحيم

وَالَّذِینَ جَاهَدُوا فِینَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت ۶۹)

جو لوگ ہماری راہ میں لگاتار کوشش کرتے ہیں، ہم ضرور
اُن پر اپنی راہیں کھولیں گے۔

مُطالعۂ قرآنِ حکیم

جلد دوم : ایمانیات

تالیف

خواجہ عبدالرحمٰن

سابق ڈائرکٹر جنرل پوسٹ، پاکستان

تدوین

خواجہ محمدؐ صدیق

سابق ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس، کراچی

اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی

مطالعۂ قرآنِ حکیم، جلد دوم

فہرس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مطالعۂ قرآن حکیم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔ (۱۷: ۹)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور ہم قرآن میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔

(۱۷: ۸۲)

انتساب

اُن مخلص مومنین اور مومنات کے نام جو قرآن حکیم کو اپنی پوری زندگی کا مکمل دستور العمل مانتے ہیں، اور اس کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل پیرا ہو کر دنیا میں فلاح و بہبود اور آخرت میں سعادت و کامرانی کی ابدی زندگی حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔

مولّف (عفا اللہ عنہ)

۱۶۷-سی/۳

پی ای سی ایچ سوسائٹی، کراچی ۲۹ (پاکستان)

فون: ۴۱۳۴۶۰

نَحمدُہٗ وَنُصَلِّی علٰے رَسُولِہِ الکَرِیم

تعارُف

مطالعہ قرآن حکیم کی جلد دوم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ جلد اوّل پہلی بار ۱۴۰۳ھ میں اور دوسری بار ترمیم اور اضافے کے ساتھ ۱۴۰۵ھ میں شائع ہوئی۔ مطالعہ قرآن حکیم کی مطبوعات کا سلسلہ خصوصی طور پر اُن خواتین و حضرات کی رہنمائی کے لئے شروع کیا گیا ہے جو علوم جدیدہ کی تحصیل میں مصروف رہنے کی وجہ سے قرآن حکیم کے کما حقہٗ مطالعہ کے لئے وقت نہیں نکال سکے اور اب اُس کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔

جلد اوّل میں (۱) عربی صرف و نحو کے بنیادی قواعد بیان کئے گئے ہیں تاکہ عربی زبان دانی کی کچھ استعداد پیدا ہو جائے جو قرآن فہمی کی اوّلین شرط ہے، (۲) قرآن حکیم کی اُن ۲۶ سورتوں کا مطالعہ کیا ہے جو اکثر زیر تلاوت رہتی ہیں یا اعلیٰ جماعتوں کے نصاب میں شامل ہیں، اور (۳) قرآن مجید میں مستعمل تمام افعال کے فعل ماضی (صیغہ واحد مذکر غائب) کی مکمل فہرست بہ ترتیب ابجد، ہر فعل کا باب اور مصدر، ری ترجمہ دیا گیا ہے۔

جلد اوّل کی پذیرائی نے مولف کی حوصلہ افزائی کی اور جلد دوم کی تالیف پر آمادہ کیا۔ اس جلد میں قرآن حکیم کی بنیادی تعلیمات کا بیان ہے، یعنی:

۱۔ اسلام کے بنیادی عقائد: ایمان باللہ، ایمان بالرسل، ایمان بالکتب، ایمان بالآخرۃ یا مختصراً ایمانیات۔

۲۔ عبادات و اعمال میں سے صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے احکام بیان کئے گئے ہیں، جن کا ذکر قرآن حکیم میں سب سے زیادہ بار ہوا ہے اور جو ایمانیات کی درستی اور پختگی کا عملی ثبوت ہیں۔

۳۔ مکارم اخلاق میں سے عدل، احسان اور ایتائے ذِی القُربٰی کا بیان ہے اور ذمائم اخلاق کے سلسلہ میں فحشاء، منکر اور بغی سے اپنے کردار کو پاک رکھنے کی تاکید ہے۔

جو شخص ان بنیادی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائے، اس کے دل میں یقیناً کتاب و سنت کے دوسرے احکام کی پیروی کا سچا جذبہ پیدا ہو جائے گا اور اس کی برکت سے وہ دنیا میں کامیابی اور آخرت میں سعادت و کامرانی کی ابدی زندگی سے ہمکنار ہو جائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے اور اس کی اعلیٰ تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعاگو: مولف (عفا اللہ عنہٗ)

باب اوّل

ابدی زندگی

۱۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ معلوم ارضی و سماوی مخلوق میں صرف اسی کو عقل و فہم، علم و دانش اور تدبّر و تجسس کی نعمتوں سے نوزا گیا ہے۔ اور اِن حواس کے ماحصل کو انمٹ اور پائیدار بنانے کے لئے اُسے قوّتِ گویائی اور لکھنے پڑھنے کی استعداد حاصل ہے۔ اس کے اِردگرد فطرت کے مظاہر مثلاً سر بفلک پہاڑ، سینکڑوں ہزاروں میل لمبے دریا اور اتھاہ سمندر، ہزاروں لاکھوں سال سے اپنے اپنے مقرر کام پر سرگرم عمل ہیں۔ انہیں اپنے کردار پر ذرہ بھر اختیار نہیں ہے، لیکن اُن کی ہستی مستقل نظر آتی ہے۔ اور انسان کی زندگی کی میعاد، دوسری مخلوق پر اِس کی برتری اور اختیار کے باوجود، اُن کے مقابلے میں نہایت مختصر معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتِ حال اُس کی اَنا کی تسکین کے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ چنانچہ انسان شروع ہی سے حیاتِ دوام کی تلاش میں ہے۔ اپنی بڑائی اور طاقت کو بڑھانے کی خواہش میں ہی اُس نے خاندانی، قبائلی اور قومی نظاموں کی تشکیل کو جنم دیا، اور دنیا میں جنگ و جدل کی بنیاد پڑی۔ آبِ حیات کی جستجو، سنسان پہاڑوں اور جنگلوں میں کسی مافوق الطبعی قوت کی تلاش، بند خانقاہوں میں کسی اندرونی تجلّی کا انتظار، زیادہ اولاد پیدا کرنے اور اُس کے ذریعہ نسلی

اور قبائلی برتری کے حصول کی کوشش، یہ ساری جدوجہد، اسی جذبے کا شاخسانہ ہیں۔ تسخیرِ کائنات کی مہمات، جن کے سلسلے میں موجودہ صدی کی ایجادات اور کامیابیاں حیران کن ہیں، اپنے وجود کو لازوال بنانے کی سعی کا ہی نتیجہ ہیں۔ ان ساری کوششوں کے نتیجے میں ابدی زندگی تو نہیں ملی، البتہ انسانی عمرِ طویل سے طویل تر ضرور ہو رہی ہے اور دنیا کی آبادی میں بھی روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے یہ احساس بھی شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا ہے کہ جملہ آبادی کے لئے وسائلِ حیات کی پوری پوری مقدار مہیا کرنے کے لئے آبادی کو محدود کرنا لازم ہوگا، اور شرحِ پیدائش پر پابندی لگانی ہوگی۔ مگر پھر بھی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک عرصے کے بعد دنیا کی آبادی کی اکثریت بوڑھے لوگوں پر مشتمل ہوگی، یعنی خوراک پیدا کرنے والے کم ہوں گے اور کھانے والے زیادہ۔ اور یہ بنی نوعِ انسانی کے انحطاط کا آغاز ہوگا۔ گویا کامیابی کا نتیجہ ناکامی اور تباہی!

۲۔ مگر یہ سارا سلسلہ ہماری غلط سوچ کا نتیجہ ہے۔ ہمارے خالق و مالک کو انسان کے لئے حیاتِ جاوداں تو منظور ہے، لیکن پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں جیسی جامد زندگی منظور نہیں۔ اُس نے انسان کو اِس لئے پیدا نہیں کیا کہ زندگی بھر اُس میں کوئی تغیّر و تبدّل واقع نہ ہو، اور وہ یومِ پیدائش سے تا دمِ مرگ ویسے کا ویسا ہی رہے۔ تخلیقِ آدم کے ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"جب تخلیقِ آدم کے لئے ہم نے اُس کا پُتلا مادی اجزا سے بنالیا تو پھر ہم نے اُس میں اپنی رُوح میں سے کچھ پھونک دیا" ~~ا~~ ۱۵:۲۹

~ قرآنی آیات کا عربی متن اسی باب کے خاتمہ پر اسی نمبر کے تحت ملاحظہ فرمائیے

جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی روح عطا کی جو اُسے باقی مخلوقات سے مُمیّز کرتی ہے اور جس کی صفات میں خدا کی صفات کا پرتو ہے۔ یہ روح ہی ہے جو انسانی احساسات، ذہن اور عقل و شعور کے ماورا اور اُس کی شخصیت کی تشکیل کرتی ہے۔ انسان کی مادی زندگی فانی ہے۔ لیکن اُس کی روح فانی نہیں۔ جیسے جیسے انسان اپنی زندگی میں ایسے عمل کرتا ہے جو خدائی صفات کے مظہر ہوں، روح کی نشو و نما اور اُس کا ارتقا ہوتا ہے۔ اور اس روش کے خلاف عمل پیرا ہونے سے روح کمزور ہوتی ہے۔ اگر انسان پر بھلائی اور بُرائی کے راستے عیاں ہو جائیں اور وہ بُرائی کو چھوڑ کر بھلائی کو اختیار کر لے تو اس کا تقویٰ (MORALE) مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے لئے فلاح و سعادت کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ انسان صرف اپنی کوششوں سے زندگی کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکے گا بلکہ اُسے راہ نمائی کی ضرورت ہو گی، جو بشری کمزوریوں کی وجہ سے لازم ہے۔ لہٰذا اُس نے نبی آدم کی راہ نمائی کے لئے انسانوں ہی میں سے اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے تاکہ وہ اپنی اپنی قوم کو سیدھا راستہ دکھائیں۔ جن لوگوں نے خدا کے پیغام کو قبول کیا اور اسے اپنایا اور اپنے کردار کو اُس پیغام کے مطابق سنوارا، انہیں ابدی فلاح و کامرانی کی زندگی کی خوشخبری دی گئی۔ اور فرمایا گیا کہ ان لوگوں کی موت کا مقصد فنا ہونا نہیں بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونا ہے، جو کہ پہلی حالت سے بہت بہتر اور خوش آئند ہے۔ فرمایا:

"نیکوکار لوگوں کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں بہتر ہے، بڑا ہی اچھا ہے متقی لوگوں کا

(آخرت کا) گھر — ابدی قیام کی جنتیں، جن میں وہ داخل ہوں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہاں ہر وہ چیز، جو وہ چاہیں گے، مہیا ہوگی۔ متقی لوگوں کو اللہ ایسا ہی اجر دیتا ہے۔ وہ لوگ جن کی روحیں فرشتے (شرک کی گندگی سے) پاکیزگی کی حالت میں قبض کرتے ہیں، اُنھیں فرشتے سلام کرتے ہوئے خوش آمدید کہتے ہیں کہ آیئے، جنت میں داخل ہو جایئے کہ آپ کے اعمال کا صلہ یہی ہے" ۱۶: ۳۰-۳۲[۲]

۳- ابدی زندگی: مندرجہ بالا ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ متقی لوگوں کے لئے اس دنیا کے فوراً بعد ہی ابدی زندگی کی بشارت ہے۔ انسان کی مادی موت کے وقت اُس کی روح، جو کہ جاوداں ہے، اُس کے جسم سے علیحدہ ہوتے ہی (اگر وہ نیک ہے) جنت کے باغات میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس حالت کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے خواب کی مثال پر غور کرنا چاہیئے۔ خواب کے دوران انسان یہ ہرگز محسوس نہیں کرتا کہ اُس کے تجربات و مشاہدات کے دوران اُس کا جسم اُس کے ساتھ شامل نہیں ہے، اگرچہ حقیقتاً جسم تو بستر پر ہی ہوتا ہے، لیکن خواب کے مشاہدات پر دور اور نزدیک اور زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ اور خواب میں انسان پتہ نہیں کہاں کہاں کی منزلیں طے کر لیتا ہے اور کیسی کیسی مہمات میں شریک ہوتا ہے۔ گویا کہ خدا کے نیک بندوں کے لئے حشر تک کا درمیانی فاصلہ بھی جنت کے باغات میں ہی انتہائی آرام و آسائش کے ساتھ بسر ہوتا ہے۔ اگرچہ اُن کا مادی جسم اُن کے ساتھ نہیں ہوتا۔

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں (اقبالؔ)

۴۔ روح کی شخصیت: روح مادی جسم کے علاوہ ایک نفس ہے۔ دنیوی زندگی میں روح اور جسم ایک ساتھ سرگرم عمل ہوتے ہیں، اگرچہ دونوں کی نشو ونما کے لوازمات مختلف ہیں، جسم کی پرورش اور مضبوطی کے لئے مادی خوراک، ورزش، سامان آسائش اور اُن کی تحصیل کے لئے مناسب مشاغل ضروری ہیں۔ لیکن روح کی بالیدگی کے لئے ضروری ہے کہ انسان نے جسمانی طاقتوں کے ذریعے جو برتری حاصل کی ہے، اُسے دوسرے لوگوں کی خدمت کرنے میں صرف کیا جائے۔ کسی مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دلائی جائے۔ کسی حاجت مند کی حاجت رفع کی جائے۔ معاشرے میں صلح و آشتی کی فضا پیدا کرنے کے لئے جد وجہد کی جائے۔ اتفاق اور یک جہتی کی قوتوں کو زیادہ سے زیادہ توانا بنانے کی کوشش کی جائے۔ اگر کوئی آفت نازل ہو تو اُس میں حتی المقدور ایک دوسرے کی مدد کی جائے۔ ان اعمال سے روح نشو ونما پاتی ہے۔ اس کے برخلاف برائی، ظلم اور زیادتی سے روح کمزور ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ مضبوط انسان وہ ہے جس کے جسم اور روح میں تضاد نہ ہو، جس کا جسم اور روح دونوں مضبوط ہوں۔ حیات، علم، ارادہ اور اختیار روح کے مظاہر ہیں۔ یہ قویٰ اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو ہیں۔ اور اسی پرتو کی برکت سے انسان کو زمین پر خلیفۃُ اللہِ کے بلند مقام پر سرفراز فرمایا گیا، اُس کی ذات ملائکہ کا مسجود قرار پائی اور ساری ارضی موجودات کو اُس کی خدمت کے لئے سرگرم عمل کیا گیا۔

قرآنی آیات محولہ باب

(۱)

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي

۱۵ : ۲۹

(۲)

وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ
الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ جَنَّٰتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن
تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ
يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّىٰهُمُ الْمَلَٰئِكَةُ
طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ
بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾

۱۶ : ۳۰-۳۲

باب دوم

ابدی زندگی کا منشور۔ یعنی دین اسلام

۱۔ اِخلاص وتقویٰ پچھلے باب میں بیان کیا جاچکا ہے کہ جو بزرگ ہستیاں نیک اور متقی ہوں گی، وہ دنیوی زندگی کے ختم ہوتے ہی جنت میں منتقل ہو جائیں گی، جہاں اُنہیں اعلیٰ مقام اور ابدی زندگی میسر ہوگی اور ہر قسم کے آرام و آسائش اُن کے لئے مہیا ہوں گے، بلکہ جو کچھ بھی وہ خواہش کریں گے، حاصل ہو جائے گا۔ مگر یہ اعلیٰ وارفع مقام حاصل کرنے کی کچھ شرطیں بھی ہیں۔ انسان کو اس دنیا میں اُس ضابطہ حیات پر عمل پیرا ہونا ہوگا جو اُس کے خالق و مالک نے اُس کی راہ نمائی کے لئے مقرر کیا ہے۔ اور جو اُس نے اپنے رسولِ مقبول محمد مصطفےٰ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی معرفت قرآنِ حکیم کی شکل میں نازل فرمایا ہے۔ اِس نورِ ہدایت سے روشنی حاصل کرنے کے لئے انسان میں کچھ بنیادی صفات کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اس کا ذکر سورہ بقرہ کی ابتدار ہی میں کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"یہ کتاب الٰہی ہے۔ اس (کے کتابِ الٰہی ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ متقی لوگوں (پرہیزگاروں) کی رہنما ہے۔" ۱ / ۲ : ۲

گویا قرآن حکیم سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے انسان کے لئے یہ لازم ہے۔ کہ وہ متقی ہو۔ متقی سے مراد ایسا شخص ہے جسے بھلائی اور برائی میں تمیز

حاصل ہو جائے تو وہ بُرائی کو رد کر دے اور بھلائی کو اختیار کر لے۔ دوسرے الفاظ ہیں یہ کہ وہ راہِ راست معلوم کرنے کی کوشش میں مخلص ہو۔ اور صرف اپنی ہی خواہش کی تسکین و تکمیل کے لئے حیلہ جوئی نہ کرتا ہو۔ اگر نیت ہی صاف نہ ہو تو کتنی بھی حق بات پیش نظر ہو، اُس میں رخنہ نکالا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر بظاہر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس کے بجالانے میں کوفت ہوتی ہو اور محنت کرنی پڑتی ہو، تو دل میں یہ وسوسہ رہے کہ اس سے متوقع فوائد حاصل ہوں گے بھی یا نہیں۔

۲۔ ایمان: جو شخص تقویٰ کی بنیادی صلاحیت کا حامل ہو اور وہ قرآنِ حکیم کو صدقِ دل سے اپنا ضابطۂ حیات بنا لے، وہ مسلم ہے۔ یعنی اُس نے خدا کی غلامی قبول کر لی۔ اب اُسے صاف صاف یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اُسے عملی طور پر کن کن عقائد پر دل و جان سے یقین رکھنا ہوگا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، (صدقِ دل سے) ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ اور ہر اُس کتاب پر جو اُس نے اُس سے پہلے نازل کی۔ اور جس نے اللہ اور اُس کے ملائکہ اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں اور روزِ آخرت سے انکار کیا، وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا" ۴ : ۱۳۶

یہ فرمان ایمان کا اجمالی خاکہ پیش کرتا ہے۔ اس کے ہر ایک جزو کی تفصیل کے لئے ہمیں قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

۳۔ عمل: ارشاد ہوا ہے:

"اور جو لوگ ایمان لائے اور پھر اُنہوں نے نیک عمل بھی کیے۔

اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، اُن کو اُن کا صلہ اللہ تعالیٰ سے
ملے گا"۔ ۲: ۲۷۷ [3]

عقائد کے منشور کے بعد یہ اعمال کے منشور کا ذکر ہے، کیونکہ فلاح وکامرانی کے لئے ایمان اور عمل لازم وملزوم ہیں۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ دو ایسے عمل ہیں، جن کا ذکر خاص طور پر فرداً فرداً کیا گیا ہے، کیونکہ اِن کی اہمیت اپنی ذات ہی میں مرکوز نہیں بلکہ یہ اعمال بہت سے دوسرے نیک اعمال کا سرچشمہ بھی ہیں۔ اِن کے علاوہ کچھ بھلائیاں اور کچھ برائیاں بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور اُن کی طرف اللہ تعالیٰ نے خاص توجہ دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی
اور بدی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت
کرتا ہے تاکہ تم سبق لو"۔ ۱۶: ۹۰ [4]

۴۔ عدل اور احسان: عدل سے یہ مراد ہے کہ لوگوں کے درمیان حقوق کا توازن قائم ہو اور ہر ایک کو اُس کا حق پورا پورا دیا جائے۔ یہ حکم ہر قسم کے حقوق پر لاگو ہوتا ہے۔ خواہ وہ اخلاقی ہوں، معاشی ہوں یا معاشرتی، سیاسی ہوں یا قانونی۔ اگر معاشرے میں عدل قائم ہوگا اور ہر شخص کو اُس کے بنیادی حقوق حاصل ہوں گے تو آپس کی تلخی، کشمکش اور چپقلش بہت کم ہوگی۔ اور یہ صورت معاشرے کی فلاح وبہبود کے لئے لازمی ہے۔ پھر فرمایا کہ احسان کرو۔ عدل کرنا تو تمہارے لئے فرض ہے۔ اور عدل کا نہ کرنا ظلم ہے۔ لیکن عدل سے بڑھ کر احسان کرو گے تو معاشرے میں محبت اور شکرگزاری، ایثار وخلوص اور باہمی خیر خواہی کے جذبات نشوونما پائیں گے۔ جو ایک متحد ملت کے قیام کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔

۵. اِیتَائِ ذِی الْقُرْبیٰ: اپنے اقربا کو دینا اور صلہ رحمی ہر ذی استطاعت شخص کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے خاندان میں حتی الوسع مستحقین کی خبر گیری اور جائز امداد کرے۔ اور اس بات کا خیال رکھے کہ اُن میں کوئی حاجتمند ایسا نہ رہے جس کی وہ حسب مقدور حاجت روائی نہ کر دے۔ خاندان میں کوئی بچہ افلاس کی وجہ سے مناسب تعلیم حاصل کرنے یا کوئی ہنر سیکھنے سے محروم نہ رہ جائے۔ کوئی لاوارث یتیم ایسا نہ رہے جس کا وہ وارث بن سکتا ہو اور وہ اس طرف پیشقدمی نہ کرے۔ اگر ہر خاندان کے اہلِ ثروت اپنے اپنے خاندان کے حاجت مندوں کا بوجھ اُٹھا لیں تو معاشرے کے سب افراد خوشحال ہو جائیں گے۔

۶. فَحْشَاءِ، اَلْمُنْکَر و اَلْبَغْی: تین مثبت اور نیک اعمال یعنی عدل، احسان اور اِیتَائِ ذِی القُربیٰ کی تاکید کے بعد تین منفی اعمال یعنی برائیوں سے بچتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے:۔

(ا) اَلْفَحْشَاء: اِن میں فحش اور بے حیائی کے کام۔ گالی گلوچ۔ ناجائز عیاشی۔ تہمت تراشی۔ جھوٹا پروپیگنڈہ۔ گندے گانے، عریانی اور عریاں تصاویر شامل ہیں۔ حکم ہے کہ اِن سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔

(ب) اَلْمُنْکَر: اس میں وہ سب بُرائیاں شامل ہیں جنھیں لوگ عام طور پر برائی گردانتے ہیں، مثلاً: چوری، جیب تراشی، راہ زنی، دھوکا بازی، فریب دہی، مکّاری، وغیرہ وغیرہ۔ اِن سب برائیوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

(ج) اَلْبَغْی: سرکشی، حد سے تجاوز کرنا، دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرنا: چالاکی سے، قانون کی ہیرا پھیری سے اور رشوت دہی کے ذریعہ، جبکہ خود کو حقیقت حال معلوم ہو، اس میں وہ سب افعال شامل ہیں جو ناجائز دباؤ، زبردستی دھونس اور دھاندلی کا نتیجہ ہوں۔

قرآنی آیات محولہ باب

(۱)

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ
هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾ ۲ : ۲

(۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ
الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ
وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا
بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ ۴ : ۱۳۶

(۳)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ۲ : ۲۷۷

(۴)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَاۗئِ
ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَ الْمُنْكَرِ
وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾ ۱۴ : ۹۰

باب سوم

ایمان باللہ

اللہ کا قرآنی تصوّر

۱۔ اللہ کی ذات: حیاتِ ابدی کے منشور کی پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ پر صدقِ دل سے ایمان لانا ہے۔ اس ایمان اور اُس کے مضمرات کو سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ اور اُس کی صفات کے بارے میں ضروری واقفیت بہم پہنچائی جائے۔ اِس ضمن میں قرآنِ حکیم سے متعلقہ احکام ذیل میں بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ: اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اُسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور وہ سب پر غالب ہے۔ وہی سب کا رب ہے۔ اُس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں۔ پس ہر انسان پر اُسی کی بندگی اور غلامی لازم ہے۔ ارشاد ہے:

"(اے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یکتا ہے اور سب پر غالب ہے" ۱۳ : ۱۶[1]

"یہی اللہ ہے تمہارا رب۔ اُس کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ پس اُسی کی بندگی اختیار کرو" ۶ : ۱۰۲[2]

اللہ ایک ہے وہ ساری کائنات کا بلاِ شرکتِ غیرے خالق و مالک و

رب ہے، لہٰذا کائنات اور نظامِ کائنات کی وحدت لازم آتی ہے۔ اِس کائنات کے جزو وکُل میں مکمل یگانگت اور یک جہتی پائی جاتی ہے۔ اور اُس میں کسی قسم کا نقص یا تضاد نہیں۔ اللہ ہی سب مخلوقات کا رب ہے۔ اور اِسی پر وحدتِ انسانیت کا تصور قائم ہے۔

۲۔ (۱) بادشاہت اور اقتدارِ کل: ارشاد ہوتا ہے:۔

(۱) "خدا کی تسبیح بیان کی ہے ہر اُس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور وہ زبردست[۱] اور دانا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے۔ وہی زندگی بخشتا ہے، وہی موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اول بھی ہے اور آخر بھی۔ وہی ظاہر[۲] بھی ہے اور مخفی بھی اور وہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (ادوار) میں پیدا کیا۔ اور پھر عرش[۳] پر متمکن ہوا۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اُس سے خارج ہوتا ہے۔ اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ بھی تم کرتے ہو۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت

۱؎ عزیز: اقتدارِ مطلق کا حامل

۲؎ ظاہر: یعنی دنیا میں جو کچھ بھی ہے، اسی کے افعال اور نور کا ظہور ہے۔

۳؎ عرش: فرمانروائی کا مرکز۔ تخلیق کے بعد عرش پر متمکن ہونا اس حقیقت کو بیاں کرتا ہے۔ کہ اللہ صرف کائنات کا خالق ہی نہیں بلکہ اُس کا فرماں روا بھی ہے۔

اُسی کی ہے۔ اور سب معاملات (فیصلے کے لئے) اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور وہ سینوں میں چھپے ہوئے رازوں تک سے واقف ہے۔" ۳[۵۷ : ۱-۶]

(ب) "وہ اللہ ہی ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ظاہر اور باطن سب کچھ جانتا ہے۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ[۱] ہے، نہایت مقدس[۲]، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا[۳] اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا[۴]۔ وہ اُس شرک سے پاک ہے جو لوگ کرتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بناتا ہے۔ اور پھر اُسے عمل میں لاتا ہے۔ اور اُسی منصوبے کے مطابق صورت گری کرتا ہے۔ اُس کے لئے ہی بہترین نام ہیں۔ ہر چیز، جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اُس کی پاکی بیان کرتی ہے اور وہ سب پر غالب اور دانا ہے۔" ۴[۵۹ : ۲۲-۲۴]

---

[۱] اَلْمَلِکُ: لامحدود حاکمیت کا مالک

[۲] قُدُّوس: مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی مقدس ترین۔ ہر قسم کے نقص، عیب اور کمزوری کے شائبہ تک سے پاک۔

[۳] جَبّار: جس کا حکم بزور نافذ ہو۔ جسے اپنا حکم نافذ کرنے کے لئے کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہ ہو۔

[۴] اَلْمُتَکَبِّر: فی الحقیقت بڑا اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا۔

جس کا آقا اور مالک اس شان اور غلبے کا مالک ہو اور اپنے بندوں کی ہر حالت سے کلی طور پر واقف ہو، اُس کو کسی اور کی غلامی کی بھلا اور کیا حاجت ہوسکتی ہے۔ کیا کچھ ہے جو اللہ کے دربار سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مال و دولت، قوت و طاقت، عزت و وقار اور پھر آخرت کی سرخ روئی۔ اُس کے غلاموں کے لئے سبھی کچھ ہے۔

(ج) وحدتِ نظامِ کائنات:

"بہت بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں (کل کائنات کی) بادشاہت ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی بنائی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کا کردار برتر ہے۔ وہ زبردست ہے اور بخشنے والا بھی، جس نے سات آسمان ایک دوسرے سے ہم آہنگ[1] پیدا کئے۔ تو خدائے رحمٰن کی صنعت میں کوئی خلل نہیں پائے گا۔ ایک بار پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے۔ کیا تجھے کوئی نقص نظر آتا ہے؟ ہاں پھر بار بار نگاہ دوڑا اور دیکھ۔ تیری نگاہ تھک کر تیری طرف ناکام لوٹ آئے گی۔" ۶۷: ۱-۴

ان آیات میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ زمین سے لے کر آسمانوں تک ساری کائنات ایک مکمل اور یگانہ نظام ہے۔ سب اجرامِ فلکی ایک عالم گیر قانون کے تحت کام کر رہے ہیں۔ ان میں آپس میں باضابطہ رابطہ ہے، جس میں کسی قسم کا نقص نہیں پایا جاتا۔ اس عظیم کائنات کا وجود بغیر ایک ہمہ گیر اقتدار اور بے عیب حکمت اور بے خطا علم کے ناممکن ہے۔ مختصر یہ کہ ایک

---

[1] طِبَاقاً: ایک دوسرے کے اوپر یا ایک دوسرے سے مطابقت رکھنے والے۔

قادرِ مطلق کے بغیر نظامِ کائنات کے بے کم وکاست جاری و ساری رہنے کا تصور ایک واہمہ کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

۳۔ زندۂ جاوید:

"اللہ وہ ذات ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندۂ جاوید[1] ہے سب کا قائم رکھنے والا[2] ہے، اُس کے سوا کوئی بندگی کا سزاوار نہیں۔ نہ اُسے نیند آتی ہے، نہ اونگھ لگتی ہے[3]۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ سب اُسی کا ہے۔ (یعنی ساری کائنات میں کسی اور کا کچھ عمل دخل نہیں)۔ کون ہے جو اُس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کسی قسم کی سفارش کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن سے مخفی ہے۔ اور بندے اُس کے علم کے کسی حصے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ وہ خود ہی اُنھیں کچھ سونپنا چاہے۔ اُس کا اقتدار[4] آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اُن کی نگہداشت اس پر ذرا بھی گراں نہیں۔ وہ سب سے بزرگ اور برتر ہے"۔ ۲ : ۲۰۰ (۶)

---

۱ اَلْحَیُّ: اپنی ہی ذات سے زندہ اور ہمیشہ زندہ رہنے والا۔

۲ اَلْقَیُّوْمُ: جس کی قدرت سے نظامِ کائنات قائم ہے۔

۳ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ: تخلیق کائنات کے بعد خدا نے اُسے ایک خودکار مشین بنا کر نہیں چھوڑ دیا۔ وہ خود ہی اُس کے نظام کو چلاتا ہے اور یہ سب کچھ اُس کے لئے بالکل آسان ہے۔

۴ کُرْسِیّ: اقتدار

۴. ارض وسما کا نور:

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اُس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک طاق ہے اور طاق میں ایک چراغ رکھا ہے جو کہ ایک فانوس میں ہے۔ وہ فانوس اس قدر شفاف ہے جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ۔ اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ شرقی ہو نہ غربی، اور جس کا تیل خود بخود بھڑکا پڑتا ہو، چاہے آگ اُسے چھُوئے تک نہیں۔ روشنی پہ روشنی کی تہیں جمی ہوئی۔" ۷/ ۲۴ : ۳۵

(اس تمثیل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو چراغ سے اور کائنات کو طاق سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور فانوس وہ نور کا پردہ ہے جس میں سے گزرنے والا نور ایسا شدید اور بسیط اور محیط ہے کہ محدود طاقت رکھنے والی بصارت اُس کے ادارک سے عاجز ہے۔ مجملاً یہ کہ ساری کائنات کا ظہور خدا کے نور کے سبب ہی ہے)

۵. مشرق و مغرب، یعنی کل کائنات کا رب:

(ا) "اُس (حضرت موسیٰ) نے (فرعون سے) کہا۔ وہ پروردگار ہے مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ بھی اُن کے درمیان ہے۔ اگر تم لوگ عقل سے کام لو (تو یہ مان لوگے)" ۸/ ۲۶ : ۲۸

(ب) "وہی ہے۔ جس نے تمہارے فائدے کے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان استوار کئے۔ اور وہ سب امور سے باخبر ہے۔" ۹/ ۲ : ۲۹

اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب ہر جگہ کی مخلوق کا پروردگار ہے۔ اُس نے

سب کے لئے زیست کا سامان مہیا کیا۔ انسان کی پیدائش سے پہلے ہی زمین میں اس کی ساری ضروریات کا بندوبست کر دیا۔ ارشاد ہوا ہے۔ کہ:

"زمین پر چلنے والا کوئی جانور بھی ایسا نہیں جس کے رزق کی ساری ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہ ہو اور وہی اس کے (جیتے جی) کے ٹھکانے کو اور (مرے پیچھے) ان کے (زمین میں) سونپے جانے کی جگہ کو جانتا ہے یہ سب کچھ ایک واضح دفتر (لوحِ محفوظ) میں درج ہے۔" $\frac{10}{11:6}$

دنیا میں موجود ہر جاندار کے رزق کا کامل نظام باری تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ خواہ انسان خدا کی غلامی قبول کرے یا ناشکرا بنے۔ لیکن ارشاد ہوتا ہے کہ:

"اگر تم شکر گزار بندے بنو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کردوں گا۔"

۶۔ وحدتِ انسانیت:

چونکہ اس کائنات کا خالق و مالک اور مقتدرِ اعلیٰ فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ وحدتِ انسانیت ہے۔ سب انسان ایک ہی قوم ہیں۔ کوئی قوم دوسری پر فوقیت نہیں رکھتی۔ اعلیٰ انسان (SUPERMAN) کا تصور ایک باطل خیال ہے۔ ہاں کردار کی برتری سے ایک شخص دوسرے کے مقابلے میں خدا کی نظروں میں زیادہ عزت و تکریم کا حقدار ہو سکتا ہے۔ یہ نظریہ انسانی اخوت (BROTHERHOOD) کی بنیاد ہے۔ پیدائشی حقوق کی بنا پر ایک انسان کا دوسرے انسان پر اور ایک قوم کا دوسری قوم پر برتری کا دعویٰ غیر فطری امر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد (آدمؑ) اور ایک عورت (حوّا) سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان اس

لئے بنا دیا کہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم
سب میں زیادہ قابلِ تکریم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔
بلا شبہ اللہ خوب جاننے والا اور خبردار ہے۔" ۴۹ : ۱۳

خدا تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ تمہارا خالق و مالک اور رب ایک ہے سب انسانوں کی پیدائش بھی ایک ہی انسانی جوڑے سے ہوئی ہے۔ اس لئے نسلی۔ لسانی اور قومی برتری کا تصور سراسر غلط اور باطل ہے۔

قرآنی آیات محولہ باب

(۱)

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾

۱۳ : ۱۶

(۲)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
فَاعْبُدُوْهُ ۶ : ۱۰۳

(۳)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿١﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ
وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢﴾ هُوَ الْاَوَّلُ
وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ

عَلِيْمٌ ﴿٣﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ
فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ يَعْلَمُ
مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ
مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ
مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٤﴾ لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ﴿٥﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ
فِي الَّيْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٦﴾

٥٧ : ١-٦

(٤)

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ
السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٢٣﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ
الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٤﴾

٥٩ : ٢٢-٢٤

(۵)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرُ ۙ (۱) الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ
اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ (۲) الَّذِيْ
خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ
مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (۳)
ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ
خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (۴) ۶۷ : ۱-۴

(۶)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ
سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ
اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ
وَلَا يَـُٔــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (۲۵۵) ۲ : ۲۵۵

(۷)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ
نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ
وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ ۲۴ : ۳۵

⑧

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ ۲٦ : ۲۸

⑨

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى
اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ۲ : ۲۹

⑩

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ
رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ
كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦﴾ ۱۱ : ٦

⑪

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى
وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ
اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ ۴۹ : ۱۳

باب چہارم

توحید

۱: وحدتِ ذات: چونکہ انسانی حواس بلاواسطہ ذات باری تعالیٰ کا ادراک نہیں کر سکتے، اس لئے لازم ہے کہ اُس کے وجود اور اُس کی صفات کے شواہد کو تخلیق کائنات اور نظامِ کائنات میں ملاحظہ کیا جائے۔ یہ نظام ایک زبردست اور ہمہ گیر قانون کے تحت چل رہا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے ایٹم سے لے کر بڑے سے بڑے اجرامِ فلکی تک سب ایک ہی قانون کے تحت سرگرم عمل ہیں۔ اور کہیں بھی کوئی نقص یا تضاد نظر نہیں آتا۔ زمین، چاند، سورج اور ستارے سب اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں۔ اور مقررہ راستے سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے۔ زمین و آسمان میں فطرت کی یہ ہم آہنگی، وحدتِ ذات حق کی بیّن دلیل ہے۔ اگر اِس کائنات کے ایک سے زیادہ کرتے دھرتے ہوتے تو اُن کے درمیان چپقلش کے نتیجے میں جنگ و جدل اور فساد برپا ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ساری کائنات کا نظام یگانگت پر مبنی ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

"اگر زمین اور آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود بھی ہوتے تو (زمین اور آسمان) دونوں کا نظام درہم برہم ہو گیا ہوتا۔ (چونکہ ایسا نہیں ہے) پس اللہ تعالیٰ، جو عرش (اقتدار کے مرکز) کا رب ہے،

پاک ہے اُن باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ کے مقربین اور بشر کا وغیرہ کے متعلق)"۔ $\frac{۱}{۲۱:۲۲}$

۲. شرک: جب اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کل کائنات کا خالق و مالک اور رب ہے، اور اقتدارِ اعلیٰ بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ علیم و خبیر ہے، زبردست اور دانا ہے، اور کوئی امر اُس کی قدرت سے باہر نہیں، اُسی نے انسان کو زمین میں خلافت کے منصب پر سرفراز کیا ہے تو انسان کو کیسے زیب دیتا ہے کہ خدا کے سوا دوسروں کی غلامی اختیار کرے، اور اُن کے سامنے اپنا سر خم کرے۔ یہ تو انسانیت کی توہین ہے۔ کائنات کے مقتدرِ اعلیٰ سے انسان کا براہ راست تعلق قائم ہونا انسانیت کی معراج ہے۔ اتنی بڑی عزت کو چھوڑ کر غیر اللہ کا دروازہ کھٹکھٹانے میں تو انسانیت کی بڑی سُبکی ہے۔ اگر اللہ کا دروازہ چھوڑ دیا گیا تو پھر در در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں گی اور پھر بھی گوہر مقصود ہاتھ نہیں آئے گا۔

یہ ایک سجدہ ہے جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اس سلسلے میں باری تعالیٰ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) "فرمان روائی کا اختیار تو صرف ایک اللہ ہی کو ہے۔ اور اُس نے حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی غلامی مت اختیار کرو۔ یہی دین کا سیدھا راستہ ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں"۔ $\frac{۲}{۱۲:۴۰}$

اس حکم میں کوئی استثنا (EXCEPTION) نہیں۔ کوئی نبی، کوئی ولی، کوئی فرشتہ یا کوئی اور مخلوق اس لائق نہیں کہ اُس کی بندگی کی جائے۔

(ب) "(مشرکین) اللہ کے سوا اُن کی غلامی اختیار کرتے ہیں جو نہ انہیں ضرر ہی پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (معبود) اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ (اے پیغمبر، اِن سے) کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کے ہونے کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہ تو (کہیں) آسمانوں میں پاتا ہے اور نہ کہیں زمین میں۔ وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔" ۳ / ۱۰ : ۱۸

(ج) "بے شک اللہ اس گناہ کو تو نہیں بخشے گا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کم جس کو بھی وُہ چاہے اس کے عیوب سے چشم پوشی کر لے۔ اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔" ۴ / ۴ : ۱۱۶

خدا کی (سلطنت) میں خدا کے سوا کسی اور کا عمل دخل ماننا، خدا کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے۔ اور بغاوت (TREASON) ناقابلِ معافی جرم ہوتا ہے، سوائے اِس کے کہ اُس سے صدق دِل سے توبہ کر لی جائے۔ خدا تعالیٰ سچی توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

۳. وسیلہ: شرک کے ضمن میں لفظ 'وسیلہ' سے بہت زیادہ غلط فہمی پھیلی ہے۔ اور پھیلائی گئی ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں تقرّب یا تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ۔ خدا سے تقرب حاصل کرنے کا جائز وسیلہ وہی ہوگا جس کا حکم خدا نے دیا ہے۔ اس میں خدا کی عبادت، اطاعت اور تقویٰ شامل ہیں، جن کا قرآن حکیم میں بار بار ذکر آیا ہے۔ لیکن نادان لوگوں نے اس سے مُراد دوسرے انسانوں کو ہی لے لیا ہے۔ وہ مرحوم بزرگوں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں اور اُن کے مزاروں پر جا کر اُن سے حاجت روائی کی

درخواست کرتے ہیں۔ اُن کا یہ کہنا ہے کہ "ہم اُن بزرگوں کو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا وسیلہ بناتے ہیں" اس طرح کے پکارنے کو اللہ تعالیٰ نے ناجائز اور شرک قرار دیا ہے (دیکھئے مندرجہ بالا پیرا ۲) سورۃ المائدہ کی آیت ۳۵ میں لفظ وسیلہ سے مُراد اصل میں قُرب حاصل کرنے کی جدوجہد ہے۔ یہ سورہ یونس کی آیت ۱۸، اور سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۵۶ کو اس آیت کے ساتھ پڑھنے سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے!

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اُس کی جناب میں باریابی کا وسیلہ (ذریعہ) تلاش کرتے رہو، اور اُس کی طرف بڑھنے کے لئے پوری پوری جدوجہد کرو تاکہ تمھیں کامیابی حاصل ہو۔" $\frac{5}{5:35}$

جاھِدوا: اِس کا مصدر مجاہدہ ہے اور اسکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو قوتیں تمھارے لئے خدا کی راہ میں مزاحم ہیں، تم اُن کے خلاف پوری پوری امکانی کوشش کرو۔ اسی پر تمھاری کامیابی کا دارومدار ہے۔ اِس کے برخلاف نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کے نام لیوا بن کر اُنہیں وسیلہ پکڑ لو، جدوجہد سے خلاصی حاصل ہو جائے گی۔ اور وہ بزرگ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر کے اُنھیں کامیابی دلوا دیں گے۔

سورہ یونس کی آیت ۱۸، اوپر پیرا ۲ ب، ملاحظہ فرمائیں۔ اُس میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سفارش کی کیا ضرورت ہے۔ جب وہ اس کائنات کی ہر بات کو جانتا ہے تو کوئی سفارشی اُسے کون سی بات سمجھائے گا۔ (اے پیغمبر) اِن سے کہو "پکار دیکھو اُن معبودوں کو جنھیں تم خدا کے سوا (اپنا کارساز) سمجھتے ہو۔ وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں،

نہ بدل سکتے ہیں[1]۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وُہ خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ[2] تلاش کر رہے ہیں کہ کون اُس سے قریب تر ہو جائے، اور وہ تو خود اُس کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق ہے۔"
۱۷ : ۵۶-۵۷

اِن احکام کی روشنی میں ہمیں اپنے رویّے پر دوبارہ نظر ڈالنی چاہیئے کہ ہم کس طرح اور کس قدر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطہ حیات کی کھُلی کھُلی بے قاعدگی کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات میں بلیک نہیں چلا سکتے۔ اُس کا قرب حاصل کرنے کے لئے پوری پوری جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے کوئی

---

[1] "اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہی شرک نہیں ہے۔ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کو مدد کے لئے پکارنا بھی شرک ہے۔ دعا اور استمداد اور استعانت دراصل عبادت ہی ہیں۔" (مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

[2] "یعنی طاعت و عبادت میں مشغول ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب میسّر ہو جاوے اور چاہتے ہیں کہ زیادہ قرب ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ جب وُہ خود عابد ہیں تو معبود کیونکر ہوں گے۔ اور جب وہ خود ہی منفعت یعنی رحمت میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو اوروں کو کیا منفعت دے سکتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ خود مضرّت یعنی عذاب سے بچنے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو اوروں سے مضرّت کو کیا دفع کر سکتے ہیں۔ پھر اُن کا معبود معیّن ہونا محض باطل ہو گا"

(مولانا اشرف علی تھانوی)

پگ ڈنڈی (SHORT CUT) کام نہیں دے گی۔ حرام کی کمائی خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ ثواب ملتا ہے اور نہ برکت حاصل ہوتی ہے، اور نہ ہی کسی بزرگ کے مزار پر بھنڈارے کا بندوبست کر دینے سے حرام کی کمائی حلال ہو سکتی ہے۔

۴۔ وحدتِ ملت: (۱) خدائی ضابطۂ حیات کو اپنانے کا انعام آخرت میں مسرت وشادمانی اور سرخروئی اور کامیابی کی ابدی زندگی تو ہے ہی۔ یعنی مادّی موت کے بعد انسانی روح لازماً جنت میں ٹھکانا حاصل کرے گی۔ لیکن اس دنیا میں بھی خدائے واحد کی عبودیت انسان کی سرفرازی کا باعث ہے۔ فرمایا:

"مومن لوگ تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست رکھو، اور اللہ سے ڈرو۔ اُمید ہے۔ تم پر رحم کیا جائے گا۔" ۴۹ : ۱۰

یہ حکم دنیا کے تمام مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کسی دوسرے مذہب یا مسلک کے پیروؤں کے درمیان وہ اخوت نہیں پائی جاتی جو مسلمانوں کے درمیان قائم ہے، رسولِ مقبول ؐ کا ارشاد ہے۔ "مومن ایک دوسرے کے لئے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں۔ کہ ہر ایک دوسرے سے تقویت پاتا ہے۔" (بخاری۔ کتاب الادب)

ہر مومن کے لئے لازم ہے کہ اسلامی اخوت کے رشتے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے ہر مومن بھائی کی عزت، نیک نامی اور بھلائی کو اپنی بھلائی سمجھے۔ دوسروں کی حاجت روائی اور تکلیف دور کرنے کو اپنے اوپر لازم جانے۔

اگر ہم اس پر عمل پیرا ہوں تو پھر مسلمان فی الحقیقت ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہوں گے۔

(ب) اوپر مومنین کے لئے انفرادی فوائد کا ذکر ہوا۔ اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے انہیں اجتماعی فضیلت بھی عطا کی ہے۔ فرمایا:

"(مومنو!) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تمھیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے۔ اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت (دین) پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمھارا نام 'مسلم' رکھا تھا۔ اور اس (قرآن) میں بھی (تمھارا یہی نام ہے) تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہوں۔ اور تم دوسرے لوگوں پر گواہ ہو" ۸ / ۲۲: ۷۸

یعنی خدا پر ایمان لانے والے ملت ابراہیمی میں شامل ہو گئے ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں یہودی، عیسائی، صابی اور مشرکین عرب، سب ہی اپنا بزرگ مانتے تھے۔ اور مسلمان بھی اُنھیں ایک عظیم پیغمبر مانتے ہیں یہاں تک کہ اُن کا نام حضور اکرم کے درود شریف میں شامل ہے۔ اور سب مسلمان دن میں کئی بار نماز کے دوران اُنھیں نیکی سے یاد کرتے ہیں۔ تو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ اہلِ ایمان بکھرے ہوئے افراد نہیں رہے بلکہ ایک زبردست ملت بن گئے، جس کی شان میں باری تعالیٰ نے فرمایا:

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ، جو ایمان لائیں اور اچھے کام کریں کہ وہ اُنھیں اُسی طرح زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسے اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا

چکا ہے۔ اُن کے لئے اُن کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم
کر دے گا، جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند فرمایا ہے۔
اور اُن کی موجودہ حالتِ (خوف) کو امن سے بدل دے گا۔" ۲۴ : ۵۵ / ۹

۵. دنیا و آخرت کی کامیابی: آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر صدقِ دل سے ایمان لانے اور اُس کی غلامی قبول کرنے سے انسان دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی حاصل کرتا ہے۔ انفرادی طور پر وہ ایک ترقی پسند اور عدل پسند معاشرے کا قابلِ فخر فرد بنتا ہے، اور اجتماعی طور پر ایک ایسی ملت یا قوم سے وابستہ ہو جاتا ہے جسے اِس دنیا میں خلافت اور آزادی کی نعمتوں سے نوازا جانے کا وعدہ ہے، بشرطیکہ وہ لازمی جدوجہد کو اپنائیں اور خدا پر بھروسہ رکھتے ہوئے اُس کے راستے پر پیش قدمی کریں۔ پھر دیکھیں نعم المولیٰ و نعم الوکیل کی شانیں۔

قرآنی آیات محولہ باب

①

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ ۲۱ : ۲۲

②

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

۱۲ : ۴۰

(۳)

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ
اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ ۱۰ : ۱۸

(۴)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ
ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ
ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ ۴ : ۱۱۶

(۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ
الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾
۵ : ۳۵

(۶)

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا
تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى
رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ
عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ ۱۷ : ۵۶-۵۷

(٧)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾ ۴٩ : ١٠

(٨)

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ
أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ
قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ
وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ٢٢ : ٧٨

(٩)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ ٢۴ : ٥٥

باب پنجم

منصبِ رسالت اور رسول مقبولؐ پر ایمان

۱. منصبِ رسالت: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ لازم ہے کہ انسان رسولِ مقبول حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے، یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مانے اور اُن پر نازل ہونے والی کتاب، یعنی قرآن حکیم پر اور جو کتابیں پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئیں، اُن پر بھی ایمان لائے۔ ظاہر ہے کہ جب تک رسالت کے ادارے کو تسلیم نہیں کیا جاتا، رسولوں اور اُن کی کتب کو ماننے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دوسرے سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کوئی نیا دین نہیں ہے بلکہ یہ وہی دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے شروع ہی سے پسند فرمایا۔

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدم کا جنت سے اِس ارض پر ہبوط ہوا تو ربِّ رحیم نے انسانیت کی کمزوریوں کو جانتے ہوئے یہ انتظام فرمایا کہ وقتاً فوقتاً اُس کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی کے لئے ہدایت کا نزول ہوگا، اور جو لوگ اُس ہدایت کو قبول کرتے ہوئے خدا کے احکام کو اپنی زندگی کی مشعلِ راہ بنائیں گے، وہ دنیا میں بھی باسعادت ہوں گے۔ اور آخرت میں بھی۔ اِس روش پر چلنے کا نام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

"اے بنی آدم، یاد رکھو اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تمھیں میری بات سنائیں تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنی اصلاح کرلے گا، اُس کے لئے کسی خوف[۱] اور رنج[۲] کا موقع نہیں ہوگا۔" ۷: ۳۵[۱]

۲ (ا) چنانچہ حالات کے مطابق مختلف قوموں میں اُنہی میں سے رسول مبعوث ہوئے، جنہوں نے اپنی اپنی قوم کو، جو خدا کی راہ سے بھٹک گئی تھی۔ اُنھیں خدا کا پیغام پہنچایا اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری کی تبلیغ کی اور کہا: "اے میری قوم، اللہ کی بندگی اختیار کرو۔ اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے" ۷: ۵۹[۲] (حضرت نوح) ۔ ۷: ۶۵ (حضرت ہود) ۔ ۷: ۷۳ (حضرت صالح) ۔ ۷: ۸۵ (حضرت شُعیب) ۔

(ب) ان پیغمبروں کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات مبارک اپنی اہمیت کے لحاظ سے سرفہرست ہے۔ ان کی تقدیس اور عظمت کے سب مسلمان، یہودی اور عیسائی قائل ہیں۔ دُنیا کی سب سے پرانی اور مشہور تہذیب عراق کے علاقے میں قائم ہوئی، جسے سُمیری تہذیب کا نام دیا جاتا ہے۔ آپ اسی قوم میں مبعوث ہوئے۔ آپ کی بعثت کے وقت عراق میں نمرود کی حکومت تھی۔ جب آپ نے نمرود کو خدا کا پیغام پہنچایا اور کہا کہ:

---

[۱] خوف: آئندہ واقعات کے بارے میں کسی مصیبت پر اس کے واقع ہونے سے پہلے صدمہ اور اندیشہ۔

[۲] حزن: رنج۔ گذشتہ واقعات کے بارے میں کسی مصیبت کے واقع ہو چکنے کے بعد صدمہ اور رنج۔

"تم اپنے رب اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو تو وہ حضرت ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں حجت کرنے لگا اور اُس نے پوچھا۔ تمہارا رب کون ہے؟ آپ نے کہا۔ "میرا رب تو وہ ہے جو لوگوں کو زندگی دیتا ہے اور اُنھیں موت بھی دیتا ہے۔" اُس نے کہا: (یہ اختیار تو میرے پاس بھی ہے) میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔" تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ (اگر تو با اختیار ہے تو) ذرا اُسے مغرب سے نکال لا۔"

تو وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔ ۳/ ۲: ۲۵۸

لیکن اُس نے اپنے دل میں ابراہیم علیہ السلام کو اپنی سلطنت کے لئے ایک خطرہ سمجھا اور آپؑ کو آگ میں ڈلوا دیا۔ لیکن خدا کی رحمت سے آگ نے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچایا۔ پھر بھی اُس کافر کی اَنا نہیں گئی اور حضرت ابراہیمؑ کو اپنے وطن سے ہجرت اختیار کرنا پڑی۔

(ج) اِس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر لازمی ہے۔ آپ بنی اسرائیل کے عظیم المرتبت پیغمبر تھے۔ آپ پر تورات کا نزول ہوا، جو تقریباً موجودہ تورات کی پہلی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتابیں اصلی تورات تو نہیں، لیکن اصلی تورات کے جو اجزاء بھی باقی ہیں، وہ ان کتابوں میں ملتے ہیں۔ آپ کی زندگی کا ایک اہم مشن بنی اسرائیل کو فرعونیوں (فرعون مصر اور اُس کی قوم) کی غلامی سے نجات دلانا تھا، جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد یکسو ہو کر بنی اسرائیل کی ہدایت و راہ نمائی فرمانے لگے۔ اسی دوران آپ پر تورات کا نزول ہوا۔

سریانی تہذیب کے بعد دوسری بڑی تہذیب، جس کا دنیا میں ظہور ہوا،

مصری تہذیب تھی۔ مصر کے حکمرانوں کا لقب فرعون تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے زمانے کے فرعون کو خدا کا پیغام سنایا اور کہا کہ وہ بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کر دے۔ لیکن وہ رضامند نہ ہوا۔ اِس پر حضرت موسیٰؑ نے مصر سے بنی اسرائیل کی خفیہ ہجرت کا انتظام کیا۔ فرعون کو جب خبر ہوئی تو اُس نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔ لیکن اس مہم کے دوران وہ سمندر میں غرق ہو گیا۔ غرق ہوتے وقت اُس نے خدا کے وحدہٗ لاشریک لہٗ ہونے کا اقرار کیا، لیکن اب پانی سر سے گذر چکا تھا۔

(د) تورات میں رسولِ کریم نبیؐ آخر الزّمان کی بعثت کے متعلق کئی پیش گوئیاں موجود ہیں۔ مثلاً اِستثنا باب ۱۸، آیات ۱۸-۱۹ میں ہے:

"میں ان کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اُسے فرماؤں گا، وُہ وہی اُن سے کہے گا۔ اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری ان باتوں کو، جنھیں وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے گا میں اُس کا حساب اُس سے لوں گا"

مسلمانوں کے نزدیک یہ آیات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں۔ اِن کا استدلال یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کی مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔ اس لئے یہ پیشین گوئی صاف صاف ہمارے نبی (صلعم) کے متعلق ہے۔ ہمارے نبی اور حضرت موسیٰ میں باہم مماثلت اور مشابہت کئی امور میں ہے۔ مثلاً دونوں کا صاحبِ ہجرت، صاحبِ شریعت اور صاحبِ جہاد ہونا۔ دونوں کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہونا۔ قرآن حکیم آیت ۵۳:۳-۴ میں وحی کے متعلق مماثلت کا ذکر اِن الفاظ میں کرتا ہے "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوَای۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی "

(ر) بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اُن کے مشن کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

"اور یاد کرو، عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اُس نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور تصدیق کرنے والا ہوں اُس (تورات) کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔" $\frac{۴}{۶۱:۷}$

اسی مضمون کی بشارت انجیل یوحنا باب ۱۶ آیات ۷ تا ۱۶ میں ہے:

"لیکن میں (یسوع مسیح) تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے ضرور تمہارے پاس بھیج دوں گا، اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راستبازی کے بارے میں اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں۔ مگر اب تم اُن کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب سچائی کا روح آئے گا تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اِس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ بلکہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا، اس لئے کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمھیں خبریں دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے، وہ سب میرا ہے،

اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمھیں خبریں دے گا۔"

انجیل یوحنا باب ۱۵، آیت ۲۶ میں ہے:

"لیکن جب وہ (فارقلیط) آئے گا، جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے، تو وہ میری گواہی دے گا۔ اور تم بھی گواہ ہو، کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔"

قرآن حکیم کے مطابق ہر ایک قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہادی مبعوث فرمائے۔ جن کی تعداد بے شمار ہے۔ اگرچہ قرآن حکیم میں صرف اُن چند پیغمبروں کا ذکر ہے جن سے کہ اہل عرب آشنا تھے۔

(س) اور آخر میں سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ کی بعثت ہوئی۔ آپ نے اپنے سے پہلے رسولوں اور کتبِ آسمانی کا اقرار کیا اور فرمایا کہ "میرا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ اہل کتاب کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کروں جو اُنہوں نے اپنے اوپر حرام کر رکھی ہیں۔ ناپاک چیزیں حرام کردں اور انہیں ناحق بندشوں سے آزاد کروں۔" چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

"وہ اُن کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ اور اُن پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے۔ اور وُہ بندشیں کھولتا ہے۔ جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔"

$$\frac{5}{7 : 157}$$

اس سے ظاہر ہے۔ کہ خدا کی طرف سے جو دین شروع ہی سے انبیاء پر نازل کیا گیا، وہ ایک ہی دین ہے، جس کا نام اسلام ہے۔ پہلے رسول اپنی قوم کے لئے ہادی تھے۔ لیکن جب آنحضور کے عہد تک دنیا نے اتنی ترقی کر لی کہ تمام دنیا کو جغرافیائی طور پر ایک اکائی تصوّر کیا جا سکے تو

وحدتِ ملت کا منصوبہ پورا ہو گیا۔ حضور کو ساری دنیا کے لئے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اور دینِ حق کی حضور کے مشن کے ساتھ تکمیل ہو گئی، اور اس کے ساتھ ہی نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

۳. رسول پر ایمان: فرمانِ الٰہی میں رسول پر ایمان کو سابقہ آسمانی کتب پر ایمان لانے پر اوّلیت دی گئی ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کتب پر ایمان لانا ہمارے لئے صرف رسولِ اکرم کی معرفت ہی ممکن ہوا۔ لیکن تاریخی پسِ منظر کے پیشِ نظر سابقہ پیغمبروں اور سابقہ کتبِ آسمانی کا ذکر پہلے کیا گیا۔ اِسی طرح قرآنِ حکیم پر ایمان بھی جبھی ممکن ہے جب حضور پر صدقِ دل سے ایمان لایا جائے، کیونکہ ہمارے پاس قرآن حکیم کی تصدیق کا شاہد سوائے حضور کے اور کوئی نہیں۔ جس کے بارے میں آپ نے فرما دیا کہ یہ قرآن کا حصہ ہے، وہ ہمارے لئے قرآن ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

۴. رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِينَ: (ا) قرآنِ حکیم میں رسولِ اکرم سے خطاب ہے:

"اے محمد، ہم نے تجھے بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے" ۲۱ : ۱۰۷ [۶]

(ب) اور فرمایا: "اے محمد، تم اِس بات کے ہرگز اُمیدوار نہ تھے۔ کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی۔ یہ تو محض تمھارے رب کی مہربانی سے (تم پر نازل ہوئی ہے)"۔ ۲۸ : ۸۶ [۷]

سبحان اللہ! جب اللّٰہُ جَلَّ شَانُہٗ نے یہ فیصلہ فرمایا۔ کہ اس دنیا کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی راہ دکھائے تو اُس نے اپنی رحمت کے نزول کے لئے

حضور پُر نور کی ذاتِ مُبارک کو اپنا رسول مقرر کیا، اور آپ کو خاتم النبیّین کے مرتبے پر سرفراز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ آپ نبوت کے اُمیدوار نہیں تھے، رسولِ مقبول کی نبوتِ برحق کی سب سے بڑی شہادت ہے۔ غارِ حرا سے نبوّت کا پیغام لے کر آنے سے پہلے حضور کی پوری زندگی صداقت، شرافت اور امانت کا آئینہ تھی اور مکّہ کے لوگ آپ کی غیر معمولی پاکبازی، امن پسندی اور ایفائے عہد اور دوسرے اعلیٰ اوصاف کے دل و جان سے قائل تھے۔ مگر آپ کے معمول میں اس قسم کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا کہ آپ کسی قسم کی لیڈری کے خواہش مند ہیں یا یہ کہ آپ پہلے سے نبی بننے کی تیاری میں مصروف تھے۔ کسی نے آپ سے اُن مضامین، مسائل اور موضوعات کے متعلق ایک لفظ تک نہیں سُنا تھا جو دعوائے نبوّت کے بعد آپ کی زبانِ مبارک پر جاری ہوئے۔ کفارِ مکّہ نے کبھی یہ الزام نہ لگایا کہ ہمیں اِن کے طرزِ عمل سے پہلے ہی یہ شبہ تھا کہ آپ کچھ ایسا ہی دعویٰ کرنے والے ہیں۔ غارِ حرا میں حضرت جبرائیلؑ کے ذریعہ آپ پر پہلی وحی کے نزول کے بعد کے واقعات مشہور ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ کس طرح فرشتے کے ظاہر ہونے اور اتنے عظیم الشان مشن پر آپ کے تقرر پر آپ کو گھبراہٹ ہوئی، اور آپ کانپتے ہوئے گھر پہنچے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا۔ "مجھے کوئی کپڑا اُڑھاؤ۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے" وغیرہ وغیرہ۔

(ج) اِسی سلسلے میں ارشاد ہوا ہے:

"اے نبی) تم اِس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے"۸

۸ ۲۹ : ۴۸

اہل مکہ اِس بات کو بخوبی جانتے تھے۔ کہ عمر بھر آپ نے نہ کوئی کتاب پڑھی اور نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا۔ اس کے پیشِ نظر کتب آسمانی کی تعلیمات قدیم قوموں کی تاریخ، تمدن و اخلاق و معیشت کے مسائل پر جس وسیع اور گہرے علم کا اظہار آنحضور (صلعم) نے فرمایا ہے، وہ وحی کے سوا اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک اُمّی کا قرآن حکیم جیسی عظیم کتاب پیش کرنا ایک بے نظیر معجزہ ہے۔

---

۵. رسول پر ایمان لانے کے لوازمات:

ا. اطاعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے۔ اسی لئے بھیجا ہے کہ اِذن خداوندی کی بنا پر اُس کی اطاعت کی جائے۔" [۹] ۴ : ۶۴

یعنی رسولؐ جو قانون خدا کی طرف سے لایا ہے، تمام دوسرے قوانین کو چھوڑ کر صرف اُسی کی پیروی کی جائے۔ اور خدا کی طرف سے جو احکام اُس پر نازل ہوئے ہیں، اُن پر مکمل عمل کیا جائے۔ اِن کے بغیر رسول کو مان لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اِسی مضمون کی دوسری قرآنی آیات ملاحظہ فرمایئے۔

(i) "جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔" [۱۰] ۴ : ۸۰

(ii) "ایمان لانے والوں کی بات تو یہ ہوتی ہے۔ کہ جب اُنہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ رسول اُن کے درمیان کسی معاملے کا فیصلہ فرمائے تو وہ کہیں کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی۔" [۱۱] ۲۴ : ۵۱

(iii) "اے رسول، اِن سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے

محبت کرتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔" ۳: ۳۱ [12]

الغرض خدا کی اطاعت اور محبت اور ایمان کا تقاضا ہے کہ رسول کی پوری پوری اطاعت اور اتباع کیا جائے۔

(ب) انتہائی قربت اور وابستگی: اِرشاد ہوا ہے:

(ا) "اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ، اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں۔ تم میں سے جو ایسے باپوں اور بھائیوں کو اپنا رفیق بنائیں گے، وہ ظالم ہوں گے۔ اے نبی، کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارے عزیز و اقارب اور تمھارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمھارے وہ کاروبار جن کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو، اور تمھارے وُہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اُس کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمھارے سامنے لے آئے۔ اور (جان لو کہ) اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" ۹: ۲۳، ۲۴ [13]

(ii) "مومن تو در اصل وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی معاملہ کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو اُس سے اجازت لیے بغیر وہاں سے نہ جائیں۔ (اے رسولؐ) جو لوگ (جانے سے پہلے) تجھ سے اجازت

مانگتے ہیں، وہی اللہ اور رسول کو ماننے والے ہیں۔ پس جب
وُہ اپنے کسی کام کے لئے اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو اجازت
دیدیا کرو۔ اور اُن کے لئے اللہ سے دعائے مغفرت
کیا کرو۔" ۱۴ ۲۴ : ۶۲

رسول کی موجودگی ہیں، مومنین کے لئے، اُن کے ساتھ انتہائی وابستگی
کو لازم قرار دیا گیا۔ یہی وابستگی آپ کے بعد آپ کے جانشین کے ساتھ
بھی لازمی اور مقدم ہے۔

(ج) احترام :

(i) "بلاشبہ نبی اہلِ ایمان کے لئے اُن کی اپنی ذات پر بھی مقدم
ہے۔ اور نبی کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں"۔ ۱۵ ۳۳ : ۶

(ii) "اے نبی، ہم نے تجھے شہادت دینے والا، بشارت دینے
والا، اور خبردار کرنے والا، بنا کر بھیجا ہے تاکہ (اے لوگو،) تم اللہ
اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اُس کا ساتھ دو، اور اللہ
کی تعظیم و توقیر کرو، اور صبح و شام اُسکی تسبیح کرتے رہو"۔ ۱۶ ۴۸ : ۸، ۹

(iii) "اے لوگو جو ایمان لاتے ہو۔ اللہ اور اُس کے رسول کے
آگے پیش قدمی نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سب کچھ
سننے اور جاننے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لاتے ہو۔ اپنی
آواز نبی کی آواز سے بُلند نہ کرو۔ اور نہ نبی سے بلند آواز سے
بات کرو، جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بات
کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارا کیا کرایا غارت ہو جائے اور
تمھیں خبر بھی نہ ہو"۔ ۱۷ ۴۹ : ۱، ۲

ایمان کا بنیادی تقاضا ہے کہ جو شخص اللہ کو اپنا رب اور رسول کو اپنا ہادی مانتا ہو، وہ اپنی رائے کو رسول کے فیصلے پر کبھی مقدم نہ کرے۔ اور نہ معاملات میں آزادانہ رائے قائم کرے، اُن کے معاملات کے متعلق رسول (صلعم) کا فیصلہ معلوم کئے بغیر۔ اِسی لئے اسلامی معاشرے میں ہر شخص کے لئے سارے معاملات میں قرآن وسنت کی پیروی لازمی ہے۔ جو شخص قرآن وسنت کے خلاف عمل کرتا ہے، اُس کا اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان کا دعویٰ کھوکھلا ہے۔

(د) حضور پر درود بھیجنا:

"اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی اُن پر درود اور سلام بھیجو۔" $\frac{۱۸}{۳۳:۵۷}$

(صَلُّوا عَلَيْهِ: صلوٰة کا لفظ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اُس کے معنی ہوتے ہیں محبت کے ساتھ متوجہ ہونا، کسی کی تعریف کرنا، کسی کے حق میں دعا کرنا۔ اور جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے گا تو ظاہر ہے تیسرے معنی میں ہی ہوگا۔

سلام کے معنی سلامتی بھی ہیں اور صلح اور عدم مخالفت بھی۔ اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن رسول اکرم (صلعم) ہیں، جن کی بدولت ہمیں اسلام کی نعمت نصیب ہوئی۔ حضور کی احسان شناسی کے لئے لازم ہے کہ ہم آپ کی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔ آپ کے ذکر کو دنیا میں عام کریں اور خدا سے ہر وقت دعا کرتے رہیں کہ رسول مقبول پر اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں نازل ہوں۔

قرآنی آیات محولہ باب

(۱)

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ
عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ
وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ۷ : ۳۵

(۲)

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ
اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ ۷ : ۵۹

(۳)

اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۙ
قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَ اُمِیۡتُ ؕ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ
مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِہَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ ؕ
۲ : ۲۵۸

(۴)

وَ اِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ
اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ
وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ
۷ : ۶۱

(٥)

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ ٧ : ١٥٧

(٦)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٧ ٢١ : ١٠٧

(٧)

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ٢٨ : ٨٦

(٨)

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ
بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝٤٨ ٢٩ : ٤٨

(٩)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
٤ : ٦٤

(١٠)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ ٤ : ٨٠

(۱۱)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۭ ۲۴ : ۵۱

(۱۲)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱

۳ : ۳۱

(۱۳)

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَ اَبْنَاۗؤُكُمْ
وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ
اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ
مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۴ۧ

۹ : ۲۴-۲۳

(۱۴)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ
لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج فَاِذَا
اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ
مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ط ۲۴ : ۶۲

(۱۵)

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ
اُمَّهٰتُهُمْ ط ۳۳ : ۶

(۱۶)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۸﴾
لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط
وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾ ۴۸ : ۹-۸

(۱۷)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①
يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ
لَا تَشْعُرُوْنَ ② ۴۹ : ۲-۱

(۱۸)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶ ۳۳ : ۵۶

باب ششم

ایمان بالقرآن

۱. قرآن کیا ہے: قرآنِ حکیم وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسولِ مقبول حضرت محمد مصطفےٰؐ پر نازل فرمائی، اور جس کا دعویٰ ہے کہ وہ کل انسانیت کے لئے نورِ ہدایت ہے۔ یہ وہ دستور ہے جو قانونِ خداوندی کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہ ضابطۂ حیات ہے جسے ہم اپنی رہنمائی کے لئے دل و جان سے قبول کر لیں تو ہمارے لئے فلاح و کامرانی کی ابدی زندگی کی منزل قریب سے قریب تر ہو جائے۔ یہ فُرقان ہے، جو اچھائی اور بُرائی میں تمیز کی کسوٹی ہے۔ یہ قول فیصل ہے، جس کا فیصلہ ہر معاملے میں آخری فیصلہ ہے۔ اور اِسے ہر قسم کے جھگڑے اور مناقشہ میں حکم قرار دیا گیا ہے۔ یہ فلسفۂ اسلام اور تہذیب و تمدن کے اصولوں کے لئے حرفِ آخر ہے، اور اِس سے روگردانی کی سزا عذاب ہے۔ اِرشاد ہوا ہے کہ یہ تمہارے لئے زندگی کے سہارے کے لئے حَبْلُ اللہ ہے، اور حکم ہے کہ اسے مضبوطی سے تھامے رہو، اس کی تعلیم پر متفق رہو اور فرقے فرقے نہ ہو جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم تباہ ہو جاؤ گے۔

۲۔ ایمان بالقرآن: اِرشاد ہوتا ہے:

(۱) "اور یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے، ایک برکت والی کتاب۔

پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو۔ بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے" ۱ — ۶: ۱۵۶

گویا قرآن پر ایمان لانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اور اس پیروی میں خلوص اور احتیاط کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے، نہ کہ احکام کی تعمیل میں لوازمات کا پورا پورا خیال نہ رکھا جائے۔ نیک نیتی اور صدقِ دل سے خدائی احکام کا بجالانا باعثِ رحمت ہوگا۔

(ب) "ا۔ ل۔ ر۔ (اے محمد) یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمھاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آؤ، اُن کے رب کی توفیق سے۔" ۲ — ۱۴: ۱

(ج) "(اے محمد) ہم نے تم پر یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ تم اُن اختلافات کی حقیقت اِن پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب رہنمائی اور رحمت بن کر نازل ہوئی ہے، اُن لوگوں کے لئے جو اِسے مانیں۔" ۳ — ۱۶: ۶۴

اِن ارشادات کے مطابق ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم قرآن حکیم کو نورِ ہدایت تصور کریں، اور اِس کی روشنی میں اپنے طرزِ بود و باش کا جائزہ لیں کہ آیا ہمارا رہن سہن خدائی ضابطۂ حیات کے مطابق ہے یا اُس سے مختلف، اور اس جائزے کے بعد اپنی روش کو قرآن حکیم کی ہدایت کے مطابق کرلیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو ہم ایمان بالکتاب کی برکت سے خدا کی رحمت کے اُمیدوار بن جائیں گے۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو ہمارا ایمان کھوکھلا ہے۔

۳. اصولی احکام: "آیاتٌ مُّحْكَمَاتٌ"

"اللہ ہی ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے۔ اس کتاب

ہیں دو طرح کی آیات ہیں۔ ایک محکمات، جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اُن کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ اُن کا اصلی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ برخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اِن پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ صحیح سبق صرف دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔" $\frac{۴}{۳:۷}$

محکم، پختہ اور صاف چیز کو کہتے ہیں۔ آیات محکمات سے وہ آیات مراد ہیں جن کی زبان محاورے کے مطابق بالکل صاف ہے اور جن کا مفہوم متعین کرنے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ آیات قرآن حکیم کی اصل بنیاد ہیں قرآن حکیم کے نزول کی غرض کو یہ آیات پورا کرتی ہیں۔ انہی میں دین کے بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔

متشابہات ایسی آیات ہیں جن میں کائنات کی حقیقت، اُس کے آغاز و انجام اور اُس میں انسان کی حیثیت، آخرت اور دوسرے امور جو انسانی حواس کی دسترس سے بالاتر ہیں، کا ذکر ہے۔ اِن کو بیان کرنے کے لئے اصل حقیقت سے مشابہت رکھنے والی انسانی دنیا کی محسوس اشیاء کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ کچھ حقائق ایسے ہیں جن کا ادراک نزولِ قرآن کے زمانے میں انسانی عقل سے بالاتر تھا، اور جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عیاں ہوتے جاتے ہیں۔ چونکہ قرآن حکیم ابد تک ہدایت کا ضامن ہے، اِس لئے ایسے امور کا ذکر بھی اس میں ناگزیر ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ قرآن حکیم پر ایمان

لانے کے لئے صرف آیات محکمات کو ٹھیک طور پر سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا لازمی ہے۔ آیات متشابہات پر مجمل ایمان ہی کافی ہے۔

۴. قرآن حکم ہے:

(۱) "اے نبی، ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے کہ جو راہِ راست اللہ نے تمھیں دکھائی ہے، اُس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو" ۵ — ۴ : ۱۰۵

(ب) "اور اے محمد، ہم نے تیری طرف یہ کتاب نازل کی ہے، جو حق لے کر آئی ہے، اور الکتاب میں سے جو کچھ پہلے سے موجود ہے، اُس کی تصدیق کرنے والی اور اُس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہٰذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو، اور جو حق تمھارے پاس آیا ہے، اُس سے منہ موڑ کر اُن لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگو۔" ۶ — ۵ : ۴۸

(ج) "تو کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، حالانکہ اُس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کر دی ہے۔" ۷ — ۶ : ۱۱۵

اِن ارشادات کا مفہوم ظاہر ہے کہ جس معاملے میں بھی مومنین میں اختلاف ہو، اس معاملے کے فیصلے کا اختیار قرآن حکیم کو ہے۔ یعنی فیصلہ اُسی کے احکام کے مطابق کیا جائے، نہ کہ اپنی وقتی مصلحتوں کی بنا پر۔ ورنہ ملت میں لغرا تفری کی فضا پیدا ہو جائے گی اور اُس کے لئے کسی ایک مرکز پر متحد ہونا دشوار بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔

۵. قرآن کو حکم نہ ماننے کی سزا:

(۸) "ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کو (سمجھانے کے لئے) طرح طرح کی مثالیں دی ہیں تاکہ یہ ہوش میں آئیں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں تاکہ یہ بُرے انجام سے بچیں۔" ۸ — ۳۹ : ۲۷، ۲۸

یعنی قرآن حکیم اُن لوگوں کی اپنی زبان میں ہے جنہیں اوّل اوّل قرآن میں خطاب کیا گیا۔ اُس کے احکام سادہ اور صاف ہیں۔ ان میں کوئی اُلجھاؤ اور اینچ پیچ نہیں ہے کہ عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہوں۔ ہر آدمی اِن سے بخوبی جان سکتا ہے کہ اُسے کن باتوں سے منع کیا گیا ہے اور کن چیزوں کو صحیح کہا گیا ہے اور کِن احکام کو کن وجوہ کی بنا پر واجب کیا گیا ہے۔ اگر ایسی کُھلی کُھلی ہدایات کے بعد بھی کوئی شخص اُن سے بے رخی اختیار کرے اور اپنی خواہشات کی پیروی کو اُن پر ترجیح دے تو ایسے لوگوں کے لئے خدا کا صاف حکم ہے کہ:

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وُہ کافر ہیں۔" ۹ — ۵ : ۴۴

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ ظالم ہیں۔" ۱۰ — ۵ : ۴۵

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ فاسق ہیں۔" ۱۱ — ۵ : ۴۷

یہاں قرآن حکیم کو قانونِ فیصل نہ ماننے والوں کے لئے تین حُکم ہیں۔ جو شخص قرآنی قانون کا انکار کرتا ہے اور اُس پر کسی دوسرے قانون کو ترجیح دیتا ہے، وُہ کافر ہے۔ لیکن جو شخص قرآن کے قوانین کو برحق مانتا

ہے لیکن عملاً اُن سے انحراف کرتا ہے تو اُس انحراف کے درجے کے مطابق اُس کی زندگی میں کفر ظلم اور فسق کی شمولیت ہو جاتی ہے۔

۶. قرآن حکیم سے ہدایت حاصل کرنے کے لوازمات:

(ا) تقویٰ یعنی خلوص اور احتیاط: "الٓمّٓ ۝ اِس کتاب میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔"

$\frac{۱۲}{۲:۲-۱}$

مزید ملاحظہ فرمائیے $\frac{۱۳}{۳:۱۳۸}$

متقی: وہ شخص جسے بھلائی اور بُرائی میں تمیز ہو جائے تو وہ بھلائی کو قبول کر لے اور بُرائی کو رد کر دے۔

(ب) جدو جہد:

"اور جو لوگ ہماری راہ میں لگاتار کوشش کرتے ہیں، ہم ضرور اُن کو اپنی راہوں کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کا رفیق ہے۔" $\frac{۱۴}{۲۹:۶۹}$

جو شخص کوشش کرتا ہے نیکی کی، اللہ اُس کا رفیق بن جاتا ہے۔ جسے اللہ کی رفاقت نصیب ہو جائے، اُس سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا؟

(ج) علم اور تجسس

"اب تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے سوجھ بوجھ پیدا کرنے والے دلائل آ گئے ہیں تو جو بصیرت سے کام لے گا، اپنے آپ کو ہی نفع پہنچائے گا۔ اور جو اندھا بنے گا، اُس کا وہ خود ہی نقصان اٹھائے گا۔" $\frac{۱۵}{۶:۱۰۵}$

(د) عقل و فہم:

"اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کہا۔ "ہم نے سن لیا" حالانکہ وہ سنتے نہیں (یعنی دل سے نہیں مانتے)، جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور گونگے اور بہروں کا سا رویہ اختیار کرتے ہیں، خدا کے نزدیک وُہ بدترین قسم کے جانور ہیں" ۱۶/ ۸: ۲۱، ۲۲

مزید ملاحظہ کیجئے ۱۷/ ۳۰: ۲۳، ۲۴ اور ۱۸/ ۵: ۴۵

"کیا یہ لوگ دنیا میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل عقل سے بہرہ ور ہوتے اور اِن کے کان سننے والے ہوتے۔ یقیناً اُن کی آنکھیں اندھی نہیں لیکن اِنکے سینوں میں جو دِل ہیں وُہ اندھے ہو جاتے ہیں" ۱۹/ ۲۲: ۴۶

یعنی جو لوگ خالی الذہن ہو کر عقل و فہم کو استعمال کریں گے، وہ سچائی سے بہرہ ور ہوں گے۔

(ر) تَدَبُّر:

(۱) "یہ وہ لوگ ہیں۔ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں گونگا بہرہ بنا دیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا اِن کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں کہ کوئی بات اِن کے دل پر اثر نہیں کرتی" ۲۰/ ۴۷: ۲۳، ۲۴ - ۲۱/ ۴: ۸۲ - ۲۲/ ۳۸: ۲۹

۲۔ "اے نبی۔ اِن سے کہو کہ میں تمھیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ خدا کیلئے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر کھڑے ہو جاؤ اور پھر دماغ لڑاؤ۔ اور سوچو" ۲۳/ ۳۴: ۴۶

بلاشبہ خدا کا کلام وُہ بحرِ ذخار ہے کہ اس میں جتنی بار کوئی غوطہ لگائے گا، دُرِ شاہوار حاصل کرے گا۔ لازم ہے کہ ہم اِس کا لگاتار بغور مطالعہ کریں اور اس میں اپنی عقل و فہم، علم و دانش اور تدبر و تفکر سے پورا پورا استفادہ کریں۔

قرآنی آیات محولہ باب

(۱)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۶ : ۱۵۶

(۲)

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾
۱۴ : ۱

(۳)

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
۱۶ : ۶۴

(۴)

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ
هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ
الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ڐ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ
اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا

بِهٖۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ۝٧ ٣ : ٧

(٥)

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ ؕ ٤ : ١٠٥

(٦)

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ ٥ : ٤٨

(٧)

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ
الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ ٦ : ١١٥

(٨)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ
مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝٢٧ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ
عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝٢٨ ٣٩ : ٢٧-٢٨

(٩)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ ۵ : ۴۴

(١٠)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ ۵ : ۴۵

(١١)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾
۵ : ۴۷

(١٢)

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ
هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ ۲ : ۱، ۲

(١٣)

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ
۳ : ۱۳۸

(١٤)

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ۲۹ : ۶۹

(١٥)

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ
وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ ٦ : ١٠٥

(١٦)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾
اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ
لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ ٨ : ٢٢-٢١

(١٧)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ
اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٤﴾ ٣٠ : ٢٤-٢٣

(١٨)

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿٥﴾
٤٥ : ٥

(١٩)

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ
يَعْقِلُونَ بِهَآ أَوْ ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا
لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي
فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ ٢٢ : ٤٦

(٢٠)

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰٓ أَبْصَارَهُمْ
أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ ﴿٢٤﴾
٤٧ : ٢٢-٢٣

(٢١)

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ
لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ ٤ : ٨٢

(٢٢)

كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ
أُولُوا الْأَلْبَٰبِ ﴿٢٩﴾
٣٨ : ٢٩

(٢٣)

قُلْ إِنَّمَآ أَعِظُكُم بِوَٰحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ
وَفُرَٰدَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ ٣٤ : ٤٦

باب ہفتم

ایمان بالآخرۃ

۱. آخرت پر ایمان کا مفہوم: آخرت پر ایمان، اُس کی مقصدیت اور اُس پر ایمان کے لوازمات میں یہ ضروری ہے کہ یہ مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو کسی مقصد کی بنا پر تخلیق کیا ہے۔ اتنا بڑا نظام جو مدتوں سے بلا کسی نقص اور خلل کے چل رہا ہے، کھیل کھیل میں ظہور پذیر نہیں ہو گیا۔ آفاقی شواہد اور انسانی وجود کے شواہد سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اتنی بڑی مخلوق، جس میں انسان کی ایک بڑی حیثیت ہے، اُس کی لگاتار جد و جہد، تہذیب و تمدن کی ترقی اور اخلاقیات کی بالادستی کا تصور ہمیں اس نتیجے پر مجبور کرتے ہیں کہ یہ کائنات محض ایک کھیل تماشا نہیں کہ یہ اسی طرح چلتا رہے گا اور انسانی نسلیں ایک دوسرے کے بعد خاک میں مل کر خاک ہو جائیں گی، اور یہی اُن کا آخری انجام ہوگا۔ ابدی زندگی کے لئے انسان کی ازلی خواہش اُس کی فطرت کا ایک لازمی جزو ہے۔ اچھائی، برائی اور اُس کی جزا و سزا کا تصور، اور دنیا میں اکثر ظلم کی پاداش سے مجرموں کا بچ جانا، اس امر کا متقاضی ہے کہ ایک آخری اور پورا پورا حساب کتاب ہو، جس میں ہر شخص کے اعمال کے مطابق اُسے انعام یا سزا ملے اور یہ کہ وہاں کسی قسم کی رو رعایت نہ برتی جائے۔ جن لوگوں نے بھلائی کے لئے جد و جہد کی ہے، انہیں اپنی

کوششوں کا پورا پورا صلہ ملے۔ اور جن لوگوں نے دنیا کو عذاب میں مبتلا رکھا، اُنھیں اپنی کرتوتوں کی سزا بھگتنی پڑے۔

۲. یہ کائنات فانی ہے:۔ ارشاد ہوتا ہے:

(ا) "وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تمھارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی۔ اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اُس کے ہاں طے شدہ ہے۔" ۱/ ۶:۲

(ب) "اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور اُن ساری چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں، برحق اور ایک مقررہ مدت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔" ۲/ ۳۰:۸

اِرشادِ خداوندی ہے کہ یہ کائنات برحق بنائی گئی ہے۔ اس کا پورا نظام اِس امر پر گواہ ہے کہ اس کی تخلیق کمال حکمت و دانائی کا نتیجہ ہے اور یہاں ہر چیز بامقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں بسایا، اُسے فہم و دانش، عقل و حکمت اور تدبّر و تفکّر کی قوتیں عطا کیں اور پھر اُسے بڑی حد تک خود مختار بھی بنایا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اِس دنیا میں نیکی و بدی، ظلم و ستم، تعمیر و تخریب کے ہنگامے برپا کرے، اور اُن کا نتیجہ بھگتنے کے بغیر معدوم ہو جائے۔

فرمانِ خداوندی ہے کہ یہ کائنات ابدی نہیں بلکہ فانی ہے اور اِس کی مدّت مقرر ہے۔ اس میں جو قوتیں بھی کارفرما ہیں وہ ابدی اور لامحدود نہیں۔ اُنھیں ایک دن ختم ہو جانا ہے۔ جس طرح زمین و آسمان ازلی نہیں بلکہ موجودہ سائنس کے (BIG BANG) نظریے کے مطابق ایک خاص گھڑی میں اُن کی تخلیق یکایک ہوگئی۔ اسی طرح سے یہ ابدی بھی نہیں۔

سائنس کے موجودہ نظریات کے مطابق مادہ یا توانائی لازوال نہیں، بلکہ ناکارہ توانائی (ENTROPY) لگاتار بڑھ رہی ہے اور آخر کار کار آمد توانائی کی مقدار کا خاتمہ لازمی ہے۔ ٹوٹنے ستاروں (یا BLACK HOLES) کا مفہوم بھی یہی ہے۔ سورج کے متعلق بھی یہ تصور رائج ہے کہ وہ سکڑ رہا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس عمل کے دوران زمین کو نگل جائے۔ اس لحاظ سے سائنس کے مطابق بھی زمین، سورج اور ستاروں کا فنا ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔

۲. قیامت بپا ہونے کا منظر:۔ ارشاد ہوا ہے:

"انسان اعتراض کے طور پر پوچھتا ہے کہ آخر کب آنا ہے وہ قیامت کا دن؟ تو جب دیدے (ہیبت کے مارے) پتھرا جائیں گے، اور چاند بے نور ہو جائے گا اور چاند اور سورج جمع کر کے ایک کر دیے جائیں گے" ۷۵: ۶-۹

یہ قیامت کے یکا یک بپا ہو جانے اور نظامِ کائنات کے درہم برہم ہو جانے کا ایک اجمالی خاکہ ہے۔ آنکھوں کے پتھرا جانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہکّا بکّا ہو کر رہ جائے گا، اور اس کے سامنے ہر طرف تباہی ہی تباہی ہو گی۔ نظامِ کششِ ثقل بگڑ جائے گا، اور چاند، زمین اور دوسرے سیّارے، جو سورج کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں، اپنے مدار سے ہٹ کر سیدھے سورج سے ٹکرا جائیں گے اور اس میں جذب ہو جائیں گے۔ موجودہ سائنس کا نظریہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ سورج سکڑ رہا ہے، اس کا وزن بڑھ رہا ہے اور اس کی کشش میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک دن نظامِ شمسی کے سیّارے سورج میں جا گریں اور اُن میں جذب ہو جائیں۔ اسی طرح قرآن حکیم میں دوسری جگہ ذکر ہے کہ "پہاڑ چلا دیئے جائیں گے (سُيِّرَتِ

الجبال) اور وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور سمندر اُبل پڑیں گے" وغیرہ وغیرہ۔
یاد رہے کہ پہاڑ زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لئے ایسا وزن ہیں جو کسی جسم کے مرکز میں اُس جسم کی قدرتی جھنجناہٹ (NATURAL VIBRATIONS) کو روکنے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ ہل گئے اور رواں ہو گئے تو زمین کا اپنی موجودہ حالت میں قائم رہنا ناممکن ہو جائے گا۔

۴. جزا و سزا کا دن:۔ ارشاد ہوا ہے:

"اُس (قیامت کے) دن انسان کہے گا کہاں بھاگ کر جاؤں؟ ہرگز نہیں۔ وہاں کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔ اُس روز تیرے رب ہی کے سامنے جا کر ٹھہرنا ہوگا۔ اُس دن انسان کو اُس کا سب اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائے گا۔ بلکہ انسان خود ہی اپنے آپ کو (اپنے اعمال و کردار کو) خوب جانتا ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔" ۷۵:۱۰-۱۵ [4]

(ب) "وہ دِن جب لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ رنگ برنگ کے دُھنکے ہوئے اون کی طرح ہوں گے۔ پھر جس کے (نیکی کے) پلڑے بھاری ہوں گے، وہ دل خوش کُن عیش میں ہوگا۔ اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے، اُس کا ٹھکانا گہری کھائی ہوگی۔ اور تمھیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ۔" ۱۰۱:۴-۱۱ [5]

اِرشاد ہوا ہے کہ حشر کے دن انسان کا اعمال نامہ اُس کے حوالے کر دیا جائے گا اور اُس میں وہ ہر اچھا یا بُرا کام درج ہوگا جو اُس نے اپنی زندگی میں کیا تھا جس کے نتائج اُس کی زندگی میں ظہور پذیر ہو گئے یا اُس

کے مرنے کے بعد ظاہر ہوئے، جن کا اثر اُس کی موت کے بعد بھی جاری رہا۔ اس فہرست میں ایسی رسوم یا طور طریقے بھی شامل ہوں گے جن کی ترویج اُس نے کی، اور اُس کی اولاد کی کارگذاری بھی درج ہو گی، جن کی اچھی یا بُری تربیت کا وہ ذمہ دار تھا۔ اُس فہرست میں ایسے کام بھی درج ہوں گے جن کا کرنا اس پر واجب تھا، لیکن اُس نے نہ کیے۔ اس اعمال نامے میں کوئی مثبت اور منفی چیز درج ہوئے بغیر نہ رہی ہو گی۔

یہ اعمال نامہ تو اِتمام حجت کے لئے ہوگا، ورنہ انسان کا اپنا نفس بھی اپنے کئے سے باخبر ہوگا۔ جب کوئی شخص ڈوبنے لگتا ہے تو اُس کی زندگی کے واقعات اُس کے ذہن کے سامنے سے ایک سینما کی فلم کی طرح گزرتے ہیں، اور ایسی تیزی سے کہ عام حالات میں اُس کا تصور بھی ناممکن ہے۔ جو شخص ڈوبتے ڈوبتے بچ گیا ہو، وہ اس امر کی پوری پوری تصدیق کرے گا۔ زندگی کا ہر واقعہ انسان کے دماغ پر نقش ہوتا ہے۔ اور اگر دماغ کا مطلوبہ حصّہ مُتحرک کیا جائے تو اُس دور کا پورا پورا نقشہ وُہ خود دیکھ لیتا ہے، جیسا کہ آجکل برقی رو کے ذریعہ ممکن ہو گیا ہے۔ قیامت کے دن تو دماغ پوری طرح متحرک ہوگا اور انسان کا اعمال نامہ اُس کے سامنے ہوگا۔

نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، اسے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور وہ سعادت و کامرانی کی ایک ایسی بااختیار ابدی زندگی میں داخل ہوگا جس کے لئے کوئی فنا نہ ہوگی۔ اور جو شخص حساب کتاب میں فیل ہو گیا، اُس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اُس کی ذات کا ارتقا ختم ہو جائے گا۔ وہ ابدی آرام کی زندگی سے محروم رہے گا اور ابدی عذاب کی زندگی میں مبتلا رہے گا۔

۵. سعادت وکامرانی کی ابدی زندگی:۔ ارشاد ہوا ہے:

"اُس روز کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔" ۷۵: ۲۲، ۲۳

کامیاب لوگوں کے چہرے خوشی سے چمک دمک رہے ہوں گے اور وہ اپنے اعمال کا بہترین انجام دیکھیں گے۔ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ قیام کے مرتبے پر سرفراز ہوں گے۔ اس پر مزید سعادت وکامرانی یہ کہ اُنھیں اپنے رب کا دیدار نصیب ہوگا اور انسانی روح کا اپنے خالق سے ملاپ ہوگا۔ سوال ہو سکتا ہے، کہ کیا یہ انسانی آنکھ کے لئے ممکن ہو سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جنّت میں انسانی حواس اتنے ہی محدود نہیں ہوں گے جتنے اس دنیا میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ کسی ہستی کے حضور کا احساس کیا ضرور ہے کہ صرف آنکھ سے ہو۔ اِدراک تو انسان کا ذہن کرتا ہے خدا تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی تجلّی کا ادراک کرائے۔ رسول مقبول صلعم سے بھی ایک روایت بخاری شریف میں منقول ہے کہ آخرت میں اللہ کے مکرم بندوں کو اپنے رب کا دیدار نصیب ہوگا اور وُہ اُسے اعلانیہ دیکھیں گے۔ وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ۔

قرآنی آیات محولہ باب

①

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ط وَ
اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ۶ : ۲

②

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا
بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ط ۳۰ : ۸

③

یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷
وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝۹ ۷۵ : ۹-۶

④

یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰
كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَئِذِ ﹰالْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲
یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۝۱۳ بَلِ
الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۝۱۴ وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِیْرَهٗ ۝۱۵

۷۵ : ۱۵-۱۰

٥

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ
كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝٥ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٦
فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝٨
فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

١٠١ : ١١-٤

٦

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝٢٢ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝٢٣

٧٥ : ٢٢-٢٣

باب ہشتم

اعمال: (۱) صلوٰۃ (نماز)

۱. تصدیق ایمان: خدا پر ایمان لانے کا مطلب ہے اُس کی عبودیت یا غلامی کو صدقِ دل سے قبول کر لینا۔ اس کے لئے اِنسانی دل و دماغ کا رضائے الہٰی سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی حد تک بااختیار بنایا ہے۔ وہ کوئی روبوٹ (ROBOT) نہیں ہے۔ وہ اپنے عمل کے لئے عقل وفہم کو استعمال کرتا ہے۔ بہت سی نفسانی خواہشات اور گردوپیش کے حالات اُس پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور اُن کے دباؤ کے تحت ممکن ہے کہ کبھی کبھی وہ خدا کے مقرر کردہ ضابطہ کی پیروی میں بھٹک جائے۔ اس کا مداوا یہی ہے کہ یہ ہم آہنگی برقرار رہے، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ بندے اور آقا کے درمیان لگاتار رابطہ قائم رہے۔ اور دونوں کے درمیان خیالات، دعاوی اور جذبات کا تبادلہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

"فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ" "مجھے یاد کرو، میں بھی تمھیں یاد رکھوں گا۔" ۲: ۱۵۲

اِنسان کے لئے اس لگاتار رابطے کا طریقہ، جو خدا نے مقرر کیا ہے، وُہ اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ حضور نے فرمایا کہ صلوٰۃ مومن کی معراج ہے۔ اس کے دوران بندہ اور آقا ایک دوسرے کے روبرو ہوتے ہیں۔ حضور کا

فرمان ہے۔ کہ نماز کی بلندی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے موجود پائے۔ لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو بندہ یہ محسوس تو کرے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر بندے کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو ہم آہنگی کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

۲. پنج وقتہ نماز :-

(ا) "نماز درحقیقت ایک ایسا فرض ہے جو اہل ایمان پر پابندی وقت کے ساتھ ادا کرنا لازم کیا گیا ہے۔" [1] ۴ : ۱،۳

(ب) "نماز قائم کرو، زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک (یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھا کرو) اور فجر کے قرآن (صبح کی نماز) کا بھی التزام کرو۔ کیونکہ قرآنِ فجر مشہود (ملائک) ہے۔ اور رات کو تہجد پڑھو۔ یہ تمھارے لئے نفل ہے۔ بعید نہیں (کہ اس کی برکت سے) تمھارا رب تمھیں مقامِ محمود پر فائز فرما دے۔" [2] ۱۷ : ۷۹

قرآنِ فجر سے مُراد فجر کی نماز ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقام پر نماز کے مختلف اجزا کا نام لے کر اُن سے پوری نماز مراد لی گئی ہے۔ مثلاً تسبیح۔ حمد۔ ذکر۔ قیام۔ رکوع۔ سجود وغیرہ

قرآنِ فجر کے مشہود ہونے سے مراد یہ ہے کہ خدا کے فرشتے اِس کے گواہ بنتے ہیں۔

قرآن حکیم میں پانچوں نمازوں کے اوقات کی طرف اس آیت میں اور دوسری آیات میں ارشادات موجود ہیں۔ اور اس کی تفصیل احادیث میں موجود ہے۔ حضور نے فرمایا۔ "تم ایسے نماز پڑھو جیسے کہ تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔" نماز کی کتابوں میں اس کا مکمل بیان ہے۔ اگرچہ مختلف

مسالک کے پیروکاروں میں کچھ نہ کچھ اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن نماز کی ادائیگی کے ظواہر میں یہ جزوی اختلاف زیادہ اہم نہیں۔ اصل امر نماز کی حقیقت ہے۔ بندے کی آقا کے سامنے پاک جسم اور پاکیزہ قلب کے ساتھ حاضری (فرداً فرداً یا دوسرے مومنین کے ساتھ صف بستہ ہوکر) عبودیت کا اظہار، راہِ راست پر چلنے کے لئے خدا سے استعانت اور ہدایت کی طلب، خلوصِ دل کے ساتھ خدا کی کامل غلامی اور مکمل اطاعت کا عزم، نماز کی روح ہیں۔

۲۔ استعانت یا طلبِ مدد:

اگر انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک مانتا ہے اور صدقِ دل سے یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ وہی اُس کا رب ہے، جس کی رحمت سے وہ زمین میں اشرف المخلوقات کے رتبے پر فائز ہے تو شکر نعمت کا تقاضا ہے کہ اس کے اظہار کے لئے وہ اپنے آقا کے سامنے عجز و نیاز سے سر جھکائے، اپنی وفاداری اور بندگی کا عہد کرے اور اُس سے اپنے قول و فعل میں کامیابی کے لئے ہمت طلب کرے تاکہ اُس کا حوصلہ بلند ہو اور جب کبھی اُسے کسی کٹھن منزل کا سامنا ہو تو اُسے یقین ہو کہ خدا کی نصرت اُس کا ساتھ دے گی، اور وہ ضرور اپنی مشکلات پر قابو پالے گا۔ جس طرح جسمانی زور آزمائی کے لئے آدمی پہلے ایک لمبا سانس لے کر اپنے پھیپھڑوں میں آکسیجن کا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے جس سے اُس کی قوت میں فوری اضافہ ہوجاتا ہے، اِسی طرح خدا سے دعا مانگنے سے انسان کی روحانی قوتوں میں بے حد اضافہ ہوجاتا ہے۔ ایک دماغی امراض کے سرجن کا قول ہے کہ میں ہر آپریشن سے پہلے خدا سے صدقِ دل سے دعا کرتا ہوں۔ اس سے مجھے اپنے کام کے لئے قوت کا ایک نیا خزانہ ملتا ہے۔ اور آپریشن کے بعد بھی بہت دعا کرتا ہوں کہ اپنی محنت و کوشش

کے بعد انسان کو توکّل کا سہارا لازمی ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) "صبر اور صلوٰۃ سے مدد حاصل کرو ۔" ۳ / ۲: ۴۵

(ب) "(اے نبی) اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کرو اور ان میں سے کسی بدعمل یا منکرِ حق کی بات مت مانو ۔ صبح و شام اپنے رب کا نام لیتے رہو ۔ رات کو بھی اُس کے حضور سجدہ ریز رہو ۔ اور رات کے طویل اوقات میں بھی اُس کی تسبیح کرتے رہو ۔" ۴ / ۷۶: ۲۴-۲۶

قرآن حکیم کا قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں بھی کفار کے ساتھ جدوجہد اور مقابلے کے لئے صبر و ثبات کی تلقین کی جاتی ہے، وہاں اُس کے فوراً بعد نماز قائم کرنے کا حکم دیا جاتا ہے ۔ گویا دشمنانِ حق کے مقابلے میں جس روحانی قوت اور ہمت کی ضرورت ہے، وہ خدا کے ذکر اور نماز سے ہی حاصل ہوتی ہے ۔ بدر کے میدان میں جب مسلمان اور کفّار آمنے سامنے صف آرا تھے تو حضور صلعم خدا سے استمداد کے لئے اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے، اور اس قدر عجز و نیاز سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ حضرت ابوبکرؓ پکار اُٹھے "یا رسول اللہ، بس یہ بہت ہے ۔ خدا آپ کا ضرور ساتھ دے گا ۔"

۴. اصلاحِ نفس :۔ ارشاد ہوا ہے:

(۱) "یقیناً نماز بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی ہے ۔ اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے ۔" ۵ / ۲۹: ۴۵

جب انسان کو دن میں پانچ وقت یا اُس سے بھی زیادہ دفعہ اپنے رب سے ہم آہنگ ہونے کا موقع ملے، اور ہر بار اُس کے دل و دماغ پر یہ نقش ثبت ہو کہ وہ خود مختار نہیں ہے بلکہ خدا کا بندہ ہے، جو اُس کے ہر قول و فعل کو جانتا ہے اور اُس کے دل میں گزرنے والے خیالات

تک سے بھی واقف ہے، اور اُس کے پاس جو مال و متاع اور دولت ہے، وہ خدا کی طرف سے ایک امانت ہے اور یہ کہ اُسے ایک دن اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی، اور وہ کوئی بُرائی خواہ دنیا سے کتنا ہی چھپ کر کرے اُس کے اعمال نامے میں درج ہو جائے گی۔ اور ان باتوں کی یاد دہانی دن میں اتنی دفعہ ہو تو امید غالب ہے کہ اُس کا اثر اُس کے ضمیر پر مستقل طور پر قائم رہے گا۔

(ب) نماز کے التزام اور اُس پر دوام کا ایک دوسرا رُخ بہت اہم ہے۔ یہ عمل صرف خدا اور بندے کے درمیان ہے۔ اِس کی صحت اور درستی محض خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہے۔ وضو کرنا، مقررہ رکعتوں کا لحاظ رکھنا، نماز کے دوران اللہ تعالیٰ سے قول و اقرار اور دعا وغیرہ کا علم صرف بندے اور خدا ہی کو ہوتا ہے۔ اگر کوئی خلوص سے اس پر دوام کرے تو اُس کی طبیعت میں سے جھوٹ، دھوکے اور بُرائی کے خیالات زائل ہو جائیں گے۔ اور اصلاحِ نفس کے گہرے اثرات مترتب ہوں گے۔

۵. اجتماعی نظام: اقامتِ صلوٰۃ سے مراد درحقیقت نماز باجماعت کا اجتماعی نظام ہے۔ اس نظام کے قیام کے لئے قبلہ کا مقرر ہونا لازمی تھا۔ جب تک سب نمازی ایک ہی سمت میں رُخ نہ کریں، صف لبستہ ہونا ناممکن ہے۔ اور ملت کی ہم آہنگی اور اتحاد کے لئے لازم ہے کہ دنیا کے سب مسلمانوں کے لئے ایک ایسا مرکزی مقام ہو جدھر وہ رخ کریں۔ حضور نے نماز باجماعت کا طریقہ رائج فرمایا اور ساری عمر بہ نفسِ نفیس امامت کا فریضہ ادا فرماتے رہے۔ خلفائے راشدین کا بھی یہی مسلک تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ پر جب قاتلانہ حملے ہوئے۔ اور آپ حضرات شہید ہو گئے،

اُس وقت آپ دونوں مسجد میں امامت فرما رہے تھے۔ حضور نے نماز باجماعت کی تاکید فرمائی ہے۔ یہی طریقہ دینِ اسلام کی روح کے مطابق ہے۔ نماز باجماعت میں امیر و غریب، چھوٹے بڑے، آقا اور غلام کا فرق مٹ جاتا ہے، سب شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں۔ کسی کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں کی جاتی۔ مدینے کے کچھ مالدار لوگ، جو بڑی عمر کے تھے، مسجد میں جاکر نوجوانوں اور غربا کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے کتراتے تھے۔ ایسے لوگوں کو قرآن حکیم میں منافق کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

۷۔ مسجد کی مرکزیت: حضور کے عہد میں اور اُس کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں مسجد ہی امّت کی یک جہتی اور اتحاد کا مرکز تھی۔ حکومت کے مسائل سے متعلق مشاورتی اجتماعات، جہاد کے سلسلے میں مہمات کی تیاری کے انتظامات کے لئے اجتماع وغیرہ مسجد ہی میں ہوتے تھے۔ مختلف قبائل اور ممالک کے وفود اور سفراء سے حضور مسجد ہی میں ملاقات فرماتے تھے۔ بلکہ ایک ایسے وفد کا تو قیام بھی مسجد نبوی میں رہا۔

مسجد نبوی ہی میں حضور کے زمانے میں دینی درس گاہ قائم تھی، جہاں اصحابِ صفّہ تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے لئے بیعت بھی مسجد نبوی میں ہوئی تھی۔ اور یہ سب اجتماع نماز باجماعت کے نظام کی وجہ سے آسانی سے منعقد ہو جاتے تھے۔ مسجد کی مرکزیت کی افادیت نظام صلوٰۃ کا ایک اہم جزو ہے۔ نظام صلوٰۃ کا قیام خود اس قدر اہم ہے کہ اس کا قیام اسلامی حکومت کا اوّلین فرض قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"یہ وُہ لوگ ہیں جنھیں ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور مُنکر سے منع

کریں گے۔" $\frac{6}{22 : 41}$

۷. فرضیت وضو: جیسے قبلے کا مقرر کرنا نماز باجماعت کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ویسے ہی صلوٰۃ کے قیام کے لئے وضو بھی لازمی امر ہے۔ اول تو یہ بات بعید از قیاس ہے کہ بندہ خدا کے حضور ایسی حالت میں پیش ہو جبکہ وہ جسمانی اور روحانی طور پر پاکیزہ نہ ہو۔ اس لئے نماز پڑھنے سے پہلے وضو کرنا فرض ہے۔ نماز کے متعلق تفصیلات کا ذکر قرآنِ حکیم میں نہیں ہے، لیکن وضو کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ قرآن حکیم میں اس کا تفصیلی بیان موجود ہے۔ فرمایا:

"اے ایمان والو جب تمہیں نماز کے لئے قیام کرنا ہو تو (جسم کی پاکیزگی کے لئے) اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے بازو بھی کہنیوں تک دھولو، اپنے سر کا مسح کر لو۔ اور ٹخنوں تک پاؤں بھی دھو لیا کرو۔" $\frac{7}{5 : 6}$

مقصد یہ ہے۔ کہ جب آپ خدا کے حضور کھڑے ہونے کا ارادہ کریں تو آپ کا حلیہ درست ہونا چاہیئے۔ ہاتھ منہ پاک اور صاف ہوں۔ پاؤں پر گرد و غبار یا میل کچیل نہ ہو۔ تاکہ یہ جماعت پاکیزہ لوگوں کی ہو۔ اس کے علاوہ بغیر وضو کے کسی سنجیدہ اجتماع کا قیام ہی ممکن نہیں۔ ذرا سوچیے کہ لوگ مسجد میں نماز کے لئے جمع ہوں اور وضو کرنے یا وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں تجدید وضو کی پابندی نہ ہو تو مجلس میں کتنی بدبو اور گندگی پھیل جانے کا امکان ہے۔ اسی لئے حضور کا فرمان ہے۔ "پاکیزگی اور صفائی نصف ایمان ہے۔"

۸۔ ترکِ نماز کفر ہے:۔ ارشاد ہوتا ہے:

"سوائے دائیں بازو والوں کے، جو جنتوں میں قیام پذیر ہوں گے، وہ مجرموں سے پوچھیں گے کہ تم دوزخ میں کیسے پہنچ گئے؟ وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے، مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ" ۸/ ۷۴: ۳۹-۴۴

قرآنی آیات محولہ باب

(۱)

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

۴ : ۱۰۳

(۲)

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ
الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾
وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ
رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ ۱۷ : ۷۹

(۳)

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ

۲ : ۴۵

(٤)

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ
مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝٢٤ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً
وَّاَصِيْلًا ۝٢٥ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ
لَيْلًا طَوِيْلًا ۝٢٦ ٧٦ : ٢٣-٢٦

(٥)

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ
اَكْبَرُ ؕ ٢٩ : ٤٥

(٦)

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ
الْمُنْكَرِ ؕ ٢٢ : ٤١

(٧)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى
الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ
وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ
٥ : ٦

٨

إِلَّآ أَصۡحَٰبَ ٱلۡيَمِينِ ۝ فِي جَنَّٰتٖ يَتَسَآءَلُونَ ۝ عَنِ ٱلۡمُجۡرِمِينَ ۝
مَا سَلَكَكُمۡ فِي سَقَرَ ۝ قَالُواْ لَمۡ نَكُ مِنَ ٱلۡمُصَلِّينَ ۝ وَلَمۡ نَكُ
نُطۡعِمُ ٱلۡمِسۡكِينَ ۝ ٧٤ : ٣٩ - ٤٤

باب نہم

(۲) اِنفاق۔ زکوٰۃ۔ صدقہ و ایتائی ذوِی القربیٰ

۱. اِنفاق : ایمان کی تصدیق۔ خدا پر ایمان لانے کا پہلا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ انسان کو اپنے رب سے بے پناہ محبت ہو، جس کے باعث وہ اپنی شخصیت اور خدا کی رضا کے درمیان ہم آہنگی کا خواستگار ہو۔ اس ہم آہنگی (TUNING) کا اوّلین ذریعہ نماز ہے۔ جس شخص کو اقامت نماز سے شغف نہیں، اُس کا ایمان بھی غیر معتبر ہے۔ اقامتِ نماز کے بعد ایمان کی تصدیق اِنفاق فی سبیل اللہ سے ہوتی ہے۔ یعنی بندہ اپنی ہی ذات میں گم ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ربّ العالمین کی مخلوق کا ایک فرد بن جائے۔ اس کے دل میں اپنے دوسرے بہن بھائیوں کے ساتھ خدا کی رضا کے لئے محبت ہونی چاہیئے۔ وہ اُن کی شادی اور غمی میں برابر کا شریک ہو، اور اُس کے لئے عملی طور پر اپنا مال و متاع بھی خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے۔ ایک مومن کی یہی شان ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"نیکی یہی نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کے لئے) اپنے چہرے مشرق کی طرف پھیر لیے یا مغرب کی طرف کر لیے۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان اللہ پر ایمان لائے۔ اور اللہ کی محبت میں اپنا مال اپنے رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے

والوں پر اور غلاموں کو رہائی دلانے پر خرچ کرے۔ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔“ ۲: ۱۷۷[1]

مطلب یہ ہے کہ مذہب کی چند ظاہری رسموں کو ادا کر دینا درحقیقت وہ نیکی نہیں جو خدا کے ہاں وزن رکھتی ہے بلکہ خدا پر صدقِ دل سے ایمان ایک ایسی طاقت ہے جس سے انسان کی روح بلندیوں کو چھو لیتی ہے۔ اور اُس کے اندر ایسی صفات کو اُبھارتی ہے کہ خدائی ربوبیت کا یقین اس کے رگ و ریشے میں پیوست ہو جاتا ہے۔ تنگدلی اور زرپرستی اُس سے دور ہو جاتی ہے، وہ خدا اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری میں مالی و جانی قربانی سے نہیں کتراتا۔ اور دنیا ہی کا ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ اُس کی نگاہ ہر دم آخرت پر رہتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

”طٰسٓ۔ یہ آیات ہیں قرآن اور کتاب مُبین کی۔ ہدایت اور بشارت اُن ایمان لانے والوں کے لئے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“

[2] ۲۷: ۱-۳

گویا حقوق اللہ میں ایمان لانے کے بعد صلوٰۃ مرکزِ اطاعت ہے۔ اور حقوق العباد میں ایتائے زکوٰۃ کو اوّلیت حاصل ہے۔

۲ (و) اِنفاق کی تعریف: اپنی حلال کمائی میں سے اپنے اور اہل و عیال کی جائز ضرورت پوری کرنا۔ رشتہ داروں، ہمسایوں اور حاجت مندوں کی مدد کرنا۔ رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لینا۔ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے خرچ کرنا اور حکومت کو جائز اخراجات کے لئے ٹیکس ادا کرنا۔ یہ سب اِنفاق میں داخل ہیں۔ لیکن عیش و عشرت اور نمود و نمائش پر اخراجات انفاق

میں شامل نہیں بلکہ یہ اسراف کی حدیں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اسراف کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں"

(ب) زکوٰۃ: زکوٰۃ کا مطلب ہے پاکیزگی اور نشو ونما۔ مال کی پاکیزگی کے لئے رقم یا جنس کی جو مقدار قانوناً انسان کے لئے اُس کے جائز مستحقین کو ادا کرنا لازمی ہے، وہ اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ کہلاتی ہے۔ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام قائم کرنا اسلامی حکومت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ لیکن اگر ایسا نظام موجود نہ ہو تو ہر شخص پر فرض ہے کہ وُہ انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرے۔

(ج) صدقہ: صدقہ زکوٰۃ کی نسبت عام ہے۔ اس میں وہ تمام عطیّات شامل ہوں گے جو بہ نیّت اجر و ثواب دیے جائیں، خواہ وہ زکوٰۃ کا مال ہو یا انفاق و تبرّع کی نوعیت کا کوئی اور مال۔ چونکہ انفاق سے ایمان کی صداقت اور پختگی واضح ہوتی ہے، اِس وجہ سے اِسے صدقہ بھی کہتے ہیں۔ گویا صدقہ وُہ عطیہ ہے جو خالص نیت اور سچے دل کے ساتھ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے دیا جائے، جس میں ریاکاری، نمود و نمائش یا احسان کا شائبہ تک نہ ہو اور نہ ہی دینے کے بعد لینے والے کو اِس کی وجہ سے کوئی ایذا پہنچائی جائے اور نہ اُس پر کوئی احسان جتایا جائے۔

(د) اِیتائے ذِی القُربیٰ: اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے مال پر صرف اپنا اور اپنے بال بچوں کا ہی حق نہ سمجھے بلکہ اس بات کا بھی قائل ہو کہ اُس مال میں اُس کے رشتے دار بھی کسی حد تک حق دار ہیں۔ یہاں 'حق' کے لفظ کا استعمال اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ محض اخلاقی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ حق واجب کی سی ذمہ داری ہے، جس کی ادائیگی ہر صاحبِ مال پر لازم ہے اور اگر کوئی صاحبِ مال اس حق کو ادا نہ کرے گا تو عند اللہ غصبِ حقوق کا

مجرم قرار پائے گا۔ خدا کی نگاہ میں یہ ہرگز مستحسن نہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی تو عیش و عشرت میں گزارے اور اُس کا کوئی رشتہ دار روٹی کپڑے تک کو محتاج ہو، یا تنگدستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو مناسب تعلیم و تربیت نہ دلوا سکے، یا بیماری کی حالت میں اُس کے علاج معالجے اور دیکھ بھال کا کوئی بندوبست نہ ہو، یا یہ کہ اُس کی جوان بیٹی کی اس لئے شادی نہ ہو سکے کہ اُس کے پاس اِس فرض کو انجام دینے کے لئے ضروری اخراجات کا انتظام نہیں۔ یہ احسان ہی کی ایک قسم ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا بڑا معتبر ذریعہ ہے بشرطیکہ اس میں ریا اور احسان جتانے کا عنصر نہ ہو۔

۳۔ زکوٰۃ کے مستحقین:۔ ارشاد ہوا ہے:

"یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں، اور اُن لوگوں کی کفالت کے لئے جو صدقات کے کاموں پر مامور ہوں، اور اُن کے لئے جن کی تالیفِ قلوب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنیں چھڑانے کے لئے اور قرضداروں کی مدد کے لئے اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں صرف کرنے کے لئے ہیں۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کا مقرر کردہ۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا، دانا اور بینا ہے۔" $\frac{۳}{۹:۶۰}$

صدقات سے مراد یہاں زکوٰۃ کا مال ہے۔

۱۔ فقیر سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی معیشت کے لئے دوسروں کا محتاج ہو، مستقل طور پہ یا عارضی طور پر، جس کے پاس ضروریاتِ زندگی کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور جسے سوال کرنے سے بھی عار نہ ہو۔

۲۔ مسکین وہ خود دار حاجت مند جو مفلس اور عاجز ہو، مدد کا مستحق ہو،

لیکن مانگنے کے لئے ہاتھ نہ پھیلاتا ہو۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلعم نے مسکین کی تعریف کی ہے کہ "جسے ایسے وسائل میسر نہ ہوں کہ اسے تونگر کردیں، جس کا فقر ظاہر نہ ہو کہ لوگ خیرات دیں، جو خود سوال کے لئے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔"

۴۔ عاملین: نظام زکوٰۃ کا عملہ، یعنی حکومت کے وہ اہل کار جو زکوٰۃ کی وصولی کے کام پر مقرر کئے جائیں۔

۵۔ تالیفِ قلوب: اسلام کی مخالفت میں کمی کرنے کے لئے غیر مسلموں کو وظیفہ جات سے نوازنا، اور نومسلموں کی امداد کرنا اِس مَد میں شامل ہیں۔

۶۔ فِی الرِّقَاب: غلام۔ اُن کا آزاد کرانا

۷۔ غارمین: قرض دار۔ جو لوگ بد قسمتی سے کاروبار میں نقصان کے باعث مقروض ہو گئے ہوں اور قرض ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، انہیں قرض کے بار سے سبکدوش کرانا۔

۸۔ سبیل اللہ۔ اس کو عام طور پر جہاد فی سبیل اللہ سمجھا گیا ہے، لیکن اس مَد میں اُن لوگوں کی مددِ معاش بھی شامل ہے جو ہمہ وقت دین کے کام میں مصروف رہتے ہوں، اور اُن کے پاس کسبِ معاش کا کوئی معقول ذریعہ نہ ہو۔ اور ان تمام کاموں کے لئے جو اعلاءِ کلمتہ الحق کے لئے کئے جائیں۔

۹۔ ابن السبیل: مسافر جو مدد کا محتاج ہو، خواہ وہ اپنے وطن میں خوشحال ہی کیوں نہ ہو۔

۴۔ زکوٰۃ جن پر حرام ہے: (۱) حضور نے اپنی ذات پر اور اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم پر زکوٰۃ کا مال حرام قرار دیا۔ آپ خود بھی زکوٰۃ کے متعلق کام بلامعاوضہ کرتے تھے اور بنی ہاشم میں سے بھی اگر کوئی شخص یہ کام کرتا تو بلامعاوضہ

کرتا۔ اُن میں سے کسی کے لئے کام کے معاوضے کے طور پر بھی زکوٰۃ کا مال لینا حرام تھا۔ اِس لئے کسی سیّد یا علوی یا عباسی کو زکوٰۃ دینا حرام ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے مال کے علاوہ اُن کی مدد کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔

(ب) والدین یا اولاد کی امداد کے لئے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا حرام ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے علاوہ انسان کے مال پر اُن کا اوّلین حق ہے۔

۵. اسلامی حکومت اور نظام زکوٰۃ :- اِرشاد ہوا ہے:

"یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کرینگے۔"

۴
۲۲ : ۴۱

(ا) اس سے معلوم ہوا کہ نظامِ زکوٰۃ کا قائم کرنا اسلامی حکومت کے اوّلین فرائض میں سے ہے۔ حضور کے عہد میں زکوٰۃ باقاعدہ اور بڑے اہتمام کے ساتھ وصول کی جاتی تھی اور تقسیم کی جاتی تھی۔ اِسی سلسلے میں سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ نازل ہوئی، جس میں مستحقینِ زکوٰۃ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ حضور کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض نے منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا۔ اور اُن پر غلبہ حاصل کر کے زبردستی سرکاری طور پر زکوٰۃ وصول فرمائی۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بھی یہی دستور جاری رہا۔

(ب) پاکستان میں نظام زکوٰۃ : پاکستان کی حکومت نے چند سالوں سے نظامِ زکوٰۃ قائم کیا ہے، لیکن اس نظام کے قواعد کے مطابق زکوٰۃ کی وصولی جزوی ہی ہوتی ہے اور زکوٰۃ کی پوری پوری ادائیگی ہر فرد کی اپنی ذمہ داری ہے۔ مثلاً زکوٰۃ ہر شخص کے اموالِ ظاہر اور اموالِ باطن ہر دو پر محسوب ہونی لازمی ہے۔ لیکن گورنمنٹ صرف اموالِ ظاہر پر ہی

زکوٰۃ وصول کرتی ہے۔ اموالِ ظاہر میں بھی جو قرضہ جات گورنمنٹ نے پبلک سے بانڈز یا سرٹیفکیٹوں کی شکل میں لئے ہوئے ہیں، اُن پر زکوٰۃ کی وصولی اُن رقوم کی واپس ادائیگی کے وقت ہوتی ہے۔ اور اُس رقم پر ہوتی ہے جو ادا کی جاتی ہے۔ اگرچہ زکوٰۃ قرضے کی رقم پر ہر سال واجب ہوتی ہے۔ مثلاً گورنمنٹ کے نیشنل ڈپازٹ سرٹیفکیٹ جس کی پوری میعاد آج کل سات سال ہے۔ اُسے چار سال کے بعد بھنایا جائے۔ تو ایک ہزار کے سرٹیفکیٹ پر ۰۰/۷ اروپے وصول ہوتے ہیں۔ اور اُس پر گورنمنٹ ۳۵ سے ۴۳ روپے تک زکوٰۃ وصول کرے گی۔ اگرچہ شرعی لحاظ سے ایک ہزار روپے پر چار سال کی زکوٰۃ سو روپے ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر صاحبِ حیثیت شخص کا فرض ہے۔ کہ ہر سال اپنی قابلِ ادا زکوٰۃ کا حساب خود لگائے اور گورنمنٹ کی کٹوتی کو محسوب کر کے باقیماندہ زکوٰۃ خود ادا کرے، جزئیات میں پڑ کر اصل مسئلہ کو غلط رنگ نہ دے اور نہ (CONFUSE) کرے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ کہ گورنمنٹ کی کٹوتی کے بعد بھی واجب زکوٰۃ کی کافی رقم بچ جاتی ہے، جس سے ہر شخص اپنے قریبی رشتہ داروں میں سے مستحقین کو بذاتِ خود مناسب ادائیگی کر سکتا ہے۔

انفاق اور صدقہ:۔ (۵) ارشاد ہے۔ کہ:

"اپنے صدقات اعلانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے، لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔ یہ تمھاری بہت سی برائیوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔" $\frac{۵}{۲:۲۷۱}$

(ب) نیز فرمایا:

"اگر تم نے نماز قائم رکھی اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں کو مانا اور اُن کی مدد کی اور اپنے خدا کو قرضِ حسن دیتے رہے۔ تو یقین رکھو کہ میں تمھاری سب برائیاں تم سے زائل کر دوں گا۔" ۵ : ۱۲ [۶]

(ج) "اے نبی میرے بندے جو ایمان لائے ہیں اُن سے کہو کہ نماز قائم کریں اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے اُس میں سے کھلے بندوں اور خفیہ طور پر (راہِ خیر میں) خرچ کریں، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے۔ جب نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ ہی دوست نوازی ہو سکے گی۔" ۱۴ : ۳۱ [۷]

(د) "اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو، وہ تمھارے اپنے لئے بھلائی ہے۔ آخر تم اِسی لئے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ تو جو مال تم (خیرات کے طور پر) خرچ کروگے، اُس کا پورا پورا اجر تمھیں دیا جائے گا۔" ۲ : ۲۷۲ [۸]

(ر) "اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کروگے، اُس کا پورا پورا صلہ تمھیں لوٹا دیا جائے گا اور تمھارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔" ۸ : ۶۰ [۹]

(س) "تم میں سے کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے تاکہ اللہ اُسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے؟" ۲ : ۲۴۵ [۱۰]

(ص) "تم نے دیکھا اُس شخص کو جو دین کی تکذیب کرتا ہے۔ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر دوسروں کو رغبت نہیں دلاتا۔" ۱۰۷ : ۱-۳ [۱۱]

قرآنی آیات محولہ باب

①

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ
الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى
حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ
السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ ۲ : ۱۷۷

⑥

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ ① هُدًى
وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③ ۲۷ : ۳-۱

③

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ
وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ
اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑥⓪ ۹ : ۶۰

(۴)

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ
الْمُنْكَرِ ؕ ۲۲ : ۴۱

(۵)

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا
وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ
سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ ۲ : ۲۷۱

(۶)

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ
بِرُسُلِىْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ۵ : ۱۲

(۷)

قُلْ لِّعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِىَ
يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ ۱۴ : ۳۱

(۸)

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط وَ مَا
تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط وَ مَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

۲ : ۲۷۲

(۹)

وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ
وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ ۸ : ۶۰

(۱۰)

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ
لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ط ۲ : ۲۴۵

(۱۱)

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ
الْيَتِيْمَ ﴿۲﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳﴾

۱۰۷ : ۱-۳

باب دہم

تین بھلائیاں

عدل، احسان، اِیتائِ ذِی القُربیٰ

۱۔ تین بھلائیاں: ۔ ایمانیات کے بعد دو بنیادی اعمال یعنی صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ذکر ہوا ہے ۔ یہ دونوں اعمال دراصل ایمان کی تصدیق کرتے ہیں ۔ جو شخص خدا کو اپنا خالق و رازق مانتا ہے، اور جو نعمتیں خدا نے اُسے مہیا کی ہیں، اُن کا پورا پورا اعتراف اور شعور رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اُس کی جان و مال اور عزّت و حشمت اُس کے پاس خدا کی امانت ہے، اور یومِ آخرت اسے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے تو وہ یہی چاہے گا کہ اُس کا نفس خدا کی رضا کے ساتھ ہم آہنگ رہے ۔ وہ اقامتِ نماز کا دلدادہ ہوگا، اس لئے کہ نماز میں بندہ اپنے آقا کے روبرو ہم کلام ہوتا ہے ۔ وہ یہ بھی چاہے گا کہ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنا وقت، اپنے مال اور اپنی جدّوجہد کو خدا کی خوشنودی کے لئے استعمال کرے ۔

اب ہم تین ایسی بھلائیوں کا ذکر کریں گے جن پر پورے معاشرے کی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے، اور جن کے بغیر معاشرے میں فساد و نما ہونے کا اندیشہ ہے ۔ ارشاد ہوا ہے:

"بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل[۱] کا ۔ احسان[۲] کا اور ذوی القربیٰ[۳]

کو دیتے رہنے کا۔" $\frac{1}{16 : 90}$

یہ ہیں وہ تین بھلائیاں جو حقوق العباد کی بنیاد ہیں، اور کسی معاشرے کو صحت مند، خوش حال اور مہذب و متمدن بنانے کے لئے ضروری ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قرآن حکیم جن نیکیوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے، عدل، احسان اور ایتائے ذوی القربیٰ، ان کے لئے بنیاد کا کام دیتے ہیں

۲. عدل: عدل کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے کے افراد کے حقوق میں مناسب توازن قائم ہو، اور ہر ایک کو اس کا حق بغیر کسی حیل و حجت کے حاصل ہو۔ انسانی معاشرہ ایک اجتماعی نظام ہے اور اس کی خوشحالی اور ترقی کے لئے لازمی ہے کہ افراد کے درمیان خیر سگالی کا جذبہ کار فرما ہو۔ یہ اُسی حالت میں ممکن ہے کہ ہر ایک شخص دوسروں کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھے اور دیدہ و دانستہ کسی کو اُس کے کسی حق سے محروم نہ کرے بلکہ جس کا جو حق اس پر عائد ہوتا ہے، اسے بے کم و کاست ادا کرے، خواہ صاحب حق کمزور ہو یا طاقت ور، اس کا دوست ہو یا دشمن۔ مثلاً یہ لازم ہے کہ وہ اپنے ہمسائے کو اپنے کسی شغل کی وجہ سے بے آرام نہ کرے، جیسا کہ اونچی آواز میں گانوں کی ریکارڈنگ سے ہو سکتا ہے، یا ہمسائے کے دروازے کے پاس کوڑا کرکٹ پھینک دینا جس سے اُس کے گھر کا سامنا گندا اور بدبودار ہو جائے۔ اسی طرح معاشرتی عدل (سوشل عدل) اور سیاسی عدل (حکومتی عدل) اپنی اپنی جگہ پہ لازمی ہیں۔

۳. انفرادی عدل: انفرادی عدل کا دائرہ کسی شخص کے عام سلوک، لین دین، روزمرہ کے معاملات کے سلجھاؤ، اور اُس مروّت اور ہمدردی تک محدود ہے جو وہ اپنے کنبہ داروں، اہل محلہ، دوستوں، روزمرہ ملنے والے

اشخاص کے ساتھ برتتا ہے۔ بیوی بچوں کو مناسب خرچہ ادا کرنا، بچوں کی خاطر خواہ تعلیم و تربیت کا بندوبست کرنا، لین دین میں راست بازی کو ملحوظ رکھنا، نوکروں سے نرمی کا برتاؤ روا رکھنا، عوام کے ساتھ ذات پات، چھوٹے بڑے اور امیر و غریب کی تمیز کے بغیر خوش خُلقی سے پیش آنا، اپنے وعدے کا پاس رکھنا، امانت میں خیانت نہ کرنا، اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کرنا، مزدور کو ہنسی خوشی پوری اُجرت ادا کر دینا، بزرگوں کی تعظیم کرنا اور چھوٹوں پر مہربانی کرنا، یہ سب عدل کی مثالیں ہیں۔ عدل کا اُلٹ ظلم ہے، جسے نہ کوئی انسان پسند کرتا ہے اور نہ ہی خدا۔

۴۔ معاشرتی عدل: قوم کے ہر طبقہ کے لئے بلا امتیاز شہری حقوق کا مہیا ہونا، سب کو تعلیم حاصل کرنے، کاروبار، سرکاری ملازمت اور پیشہ کے انتخاب کے مساوی مواقع حاصل ہونا، صنعتی مزدوروں کی ملازمت، اُجرت، چھٹی، برخاستگی اور ملازمت سے متعلق منصفانہ قوانین و قواعد کا لاگو ہونا۔ یہ سب معاشرتی عدل کی مثالیں ہیں۔ معاشرتی عدل قوم کی یگانگت اور اتحاد کے لئے از حد لازمی ہے۔ قوم کے مختلف گروہوں کے درمیان حقوق و فرائض کے بارے میں امتیاز نہ برتنا عدل کا تقاضا ہے۔ مثلاً سرکاری ملازمین، پیشہ ور افراد، جیسے وکیل، ڈاکٹر اور انجینئر، کاروباری اشخاص اور زمینداروں کے لئے سرکاری ٹیکس کا ایک ہی پیمانہ، عدل کا نشان ہے۔ کچھ لوگوں سے اس بارے میں رعائتی سلوک دوسروں پر ظلم ہوگا۔ اور اس سے معاشرے میں نفاق، منافرت اور بددیانتی جیسے فتنے سر اٹھائیں گے۔ اِسی طرح زمیندار اور کاشت کار کے درمیان اخراجات اور پیداوار کی تقسیم کا توازن ایسا ہونا چاہیئے کہ دونوں میں سے کسی پر بھی ظلم یا زیادتی نہ ہو۔

۵۔ حکومتی عدل: یہ قوم و ملک کی خوشحالی اور سلامتی کی اساس ہے۔ جب تک کسی فرد کو پورا پورا اعتماد نہ ہو کہ عدلیہ اُس کے حقوق کی نگہداشت کرے گی اور امن عامہ کو خراب کرنے والے عناصر کو قرار واقعی سزا ملے گی، وہ اپنے کام کاج اور قومی خدمت میں دل جمعی کے ساتھ مصروف نہیں ہو سکتا۔ عدالتوں میں عدل کی ضامن صرف ایک عادل حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ اگر حکومت کا سربراہ اور اُس کے رفقا اس امر کا تدارک نہ کریں کہ حکومت کے اہل کاروں کو رعایا کے حقوق کے معاملے میں بدعنوانی اور بے راہ روی کی اجازت نہ ہو، پولیس فوج اور سول افسران اپنی ڈیوٹی ایمانداری اور بغیر رو رعایت کے انجام دیں تو رشوت اور بدعنوانی۔ دھوکہ اور فریب۔ خیانت اور ناانصافی سر اٹھائیں گے۔ اور سوسائٹی بدامنی اور افراتفری کا شکار ہو جائے گی۔ جو حکومت اپنی رعایا کو عدل کی ضمانت نہیں دے سکتی، اُسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ خدا کا حکم ہے کہ کسی کے ساتھ دشمنی بھی تمھیں عدل کے راستے سے نہ ہٹائے۔ جو لوگ تمھارے ساتھ غلط برتاؤ کرتے ہیں، اُن سے بھی عدل کا برتاؤ کرو۔ اب اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

(ا) "اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔"

$\frac{۲}{۵۸:۴}$

(ب) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین [illegible] رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ امیر ہو یا غریب۔ اللہ تم سے

زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اُس کی خبر ہے۔" ۳/ ۴ : ۱۳۵

(ج) "اے نبی، کہہ دو کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی ہے، میں اُس پر ایمان لایا ہوں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان عدل کروں۔ اللہ ہمارا رب ہے اور تمھارا رب ہے۔" ۴/ ۴۲ : ۱۵

یعنی حضور کو یہ اعلان کرنے کو کہا گیا ہے کہ میں ساری گروہ بندیوں سے الگ رہ کر بے لاگ انصاف پر مامور ہوں۔ اور یہ کہ حق میں کسی کے لئے کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اِس میں اپنے پرائے، امیر غریب، چھوٹے بڑے، سب برابر ہیں، کسی کے حقوق مخصوص نہیں ہیں۔ میں دنیا میں عدل قائم کرنے پر مامور ہوں تاکہ جو بے اعتدالیاں اور بے انصافیاں تمھارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں، اُنھیں ختم کر دوں۔

(د) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی بھی تمھیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو کہ یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تحقیق اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔" ۵/ ۵ : ۸

(ر) "جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی تھی۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب تمھارے رب کی طرف سے حق لے کر نازل ہوئی ہے، لہٰذا تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جانا۔ تمھارے رب کی بات سچائی اور عدل کے اعتبار سے کامل ہے۔ کوئی اس کے

فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔"

۶

۶: ۱۱۵، ۱۱۶

۶۔ احسان: نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس اور لحاظ، دوسرے کو اُس کے حق سے زیادہ دے دینا، اور خود کم پر راضی ہو جانا۔ اِس کا نام احسان ہے۔ یہ عدل سے زیادہ اونچی صفت ہے اور اِس کی اہمیت عدل سے بھی بڑھ کر ہے۔ احسان محض حق کی ادائیگی کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ مزید برآں یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ہمارا معاملہ کریمانہ اور فیاضانہ ہو۔ عدل ناگوار تلخیوں سے بچاتا ہے، احسان محبت اور شکرگزاری کے جذبے کو تقویت دیتا ہے۔ ایثار، خلوص، عالی ظرفی اور خیر خواہی کی قدروں کو نشوونما دیتا ہے۔ صحیح ناپ تول میں اختلاف، الجھن اور کشمکش پیدا ہو سکتی ہے، لیکن احسان میں ایک دوسرے کی ہمدردی اور خیر خواہی کو اوّلیت حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"اور تم اللہ کی بندگی کرو۔ اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو۔ قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسائے سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمھارے قبضے میں ہوں۔ احسان کا معاملہ رکھو۔ یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں فرماتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو، اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔ اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنے کی ہدایت کرتے ہیں، اور جو کچھ اللہ نے اُنھیں اپنے فضل سے دیا ہے، اُسے چھپاتے ہیں۔ ایسے کافرِ نعمت لوگوں کے لئے ہم نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

۷
۴ : ۳۶، ۳۷

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ احسان کا دائرہ ہماری زندگی میں کتنا وسیع ہے۔ اور اُس کے نتائج بنی نوع انسان کے لئے کتنے خوش کُن ہیں۔

۷. احسان کی برکات:۔ ارشاد ہوتا ہے:

(ﻭ) "اور اے نبی، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اُس نیکی سے دور کرو جو بہترین ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم دیکھو گے کہ جس کی تمہارے ساتھ عداوت تھی، وہ ایک دم سے گویا تمہارا دلی دوست بن گیا ہے۔"

۸
۴۱ : ۳۴

یعنی حکم ہے کہ جو تمہارے ساتھ دشمنی رکھے اور بُرائی سے پیش آئے تو مناسب یہ نہیں ہے کہ اُس کے ساتھ بُرائی کی جائے۔ اس سے تو بات بڑھے گی اور عداوت کا محاذ قائم ہو جائے گا۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ اُس کے ساتھ احسان کیا جائے۔ اور جب آپ اُس سے بُرائی کا بدلہ لینے کی پوزیشن میں ہوں اور اُسے معاف کر دیں، بلکہ اُس کے ساتھ زیادہ اچھائی کا سلوک کیا کریں تو اگر اُس کی فطرت میں شرافت کی رمق بھی ہے تو وہ اپنے روّیے پہ ندامت محسوس کرے گا۔ اور عین ممکن ہے کہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جائے۔

(ب) "دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے، جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور جو خدا ترس لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے، وہ جو ہر حال میں اپنے مال (خدا کی رضا کے لئے) خرچ کرتے ہیں، خواہ وہ بدحال ہوں خواہ خوش حال۔ جو غصّہ کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے احسان کرنے والے لوگ اللہ

کو بہت پسند ہیں۔" ۹ / ۳: ۱۳۳، ۱۳۴

(ج) "اور جو شخص سچائی لے کر آیا، نیز وہ جس نے اُسے سچ مانا، وہی عذاب سے بچنے والے ہیں۔ اُنھیں اپنے رب کے پاس وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یہ ہے نیکی کرنے والوں کا اجر تاکہ جو بدترین اعمال انہوں نے کئے تھے، اُنھیں اللہ اُن کے حساب سے حذف کر دے۔ اور جو بہترین اعمال وہ کرتے رہے ہیں، اُنکے لحاظ سے اُنھیں اچھا اجر عطا فرمائے۔" ۱۰ / ۳۹: ۳۴-۳۵

یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ رب کے پاس (یہ نہیں کہ جنت میں) اُنھیں سب کچھ ملے گا، جو وہ چاہیں گے۔ اپنے رب کے پاس تو بندہ موت واقع ہوتے ہی پہنچ جاتا ہے۔ گویا احسان کرنے والوں کے لئے موت کے بعد فوراً ہی ابدی زندگی مع تمام آرام و آسائش کے شروع ہو جاتی ہے۔

۸. ایتائے ذِی الْقُربیٰ: یہ احسان کی ہی ایک خاص صورت ہے۔ اس کا ذکر پچھلے باب میں زکوٰۃ کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

قرآنی آیات محولہ باب

(۱)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي
الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۹۰   ۱۴ : ۹۰

(۲)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ   ۴ : ۵۸

(۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ
لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ
يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا
الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۳۵   ۴ : ۱۳۵

(۴)

قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ج وَ اُمِرْتُ
لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ط ۴۲ : ۱۵

(۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا
قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى ز وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧
۵ : ۸

(۶)

وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ
اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُمْتَرِيْنَ ⑪⑤ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ
عَدْلًا ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ج وَ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ⑪⑥ ۶ : ۱۱۶-۱۱۵

٧

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۣ ۙ ﴿٣٦﴾
الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٣٧﴾ ج ٤: ٣٦-٣٧

٨

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿٣٤﴾
٤١: ٣٤

٩

سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣٤﴾

٣ : ١٣٣-١٣٤

⑩

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُوْنَ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٤﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَ
يَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٥﴾

٣٩ : ٣٤-٣٥

باب: یازدہم

تین بُرائیاں: فحشاء والمنکر والبغی

۱. تین بُرائیاں: پچھلے باب میں تین ایسی بھلائیوں کا ذکر ہوا جن سے بہت سی دوسری بھلائیاں وجود میں آتی اور فروغ پاتی ہیں اور جو کسی معاشرے کی اصلاح و خوشحالی میں اساسی کردار ادا کرتی ہیں۔ اس باب میں ایسی تین برائیوں کا ذکر ہوگا جو معاشرے میں فساد پھیلاتی ہیں، اور نفاق اور دشمنی، بے رحمی اور ظلم کو ابھارتی ہیں۔ اور اندر ہی اندر اچھی بھلی سوسائٹی کی جڑیں کھوکھلی کر دیتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر اُس قوم پر کوئی بیرونی مصیبت یا آفت نازل ہو جائے تو اُس میں اُس کی مدافعت کی صلاحیت ناپید ہوتی ہے، اور وہ قوم اپنی آزادی تک کھو بیٹھتی ہے اور دنیا میں اُس کی کوئی آواز یا وقعت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تین برائیوں سے بچتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ فحش حرکات، عقل و انصاف کے خلاف بُرے کام اور سرکشی۔ یہ ہیں وہ تین برائیاں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"تحقیق اللہ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا اور ذوی القربیٰ کو مالی امداد دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی کے کاموں سے، ناشائستہ حرکتوں سے، اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے۔" $\frac{1}{16:90}$

۲. فحشاء: کھلی ہوئی بدکاری اور بے حیائی۔ اِس کے ضمن میں بے پردہ

باتیں کرنا، گالیاں بکنا، عریانی، بے حیائی، گندے گانے گانا، عریاں اور فحش تصاویر کی نمائش، آرٹ کے پردے میں ننگا پن، بے ہودہ لٹریچر، عورتوں کا رقص، زنا اور لواطت اور اسی طرح کے دوسرے بے حیائی کے کام شامل ہیں۔ کلبوں میں مردوں اور عورتوں کا باہم رقص اور ڈراموں میں شہوانی جذبات اور حرکات کا اظہار، انسان کی فطری شرم و حیا کو ختم کر دیتا ہے۔ نشے کی عادت انسان کی شخصیت کو مسخ کر دیتی ہے۔ اور نشے کی حالت میں اُسے اپنی حرکات و افعال پر کوئی قابو نہیں ہوتا۔ یہ افعال معاشرے میں کچھ ایسے متعدّی جراثیم پھیلا دیتے ہیں جو بہت سے لوگوں پر بُرائی کے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ کسی معاشرے کی سنجیدگی کی کیفیت ایسے ہی افعال سے ظاہر ہوتی ہے۔

۳. مُنکَر: یہ معروف کی ضد ہے، یعنی جو کام کسی سوسائٹی میں پسند کئے جاتے ہیں، اُن کی ضد۔ مثلاً مہمان نوازی، سخاوت، خوش خلقی، محبت قرابت داری یہ سب پسندیدہ طور طریقے اور آداب ہیں۔ اِن کی ضد منکر ہے، یعنی ایسے کام جو عرفِ عام میں بُرے سمجھے جائیں۔ مثلاً قمار بازی، چوری چکاری، راہزنی، دھوکہ بازی، جھوٹ بولنا، خیانت کرنا، مردم آزادی، وغیرہ

۴. بَغی: یعنی سرکشی اور تعدّی۔ آدمی اپنی قوت و طاقت، زور و اثر، اور دھکے، دھونس دھاندلی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر ایسے کام کرے جو اخلاقاً اور قانوناً منع ہوں تو وہ اس زمرے میں آئیں گے۔ زبردستی کسی کی تیار فصل کو آگ لگا دینا، کسی کے مال و جائیداد پر ناجائز قبضہ کر لینا، کسی کو خواہ مخواہ مقدمہ بازی میں اُلجھا کر اُس سے مال و زر ہتھیا لینا، کسی پر جھوٹا الزام لگا کر اُسے زِچ کرنا اور اُس سے اپنی زباں بندی کے لئے (BLACK MAIL) رشوت لینا، خواہ مخواہ دنگا فساد اور ہنگامہ آرائی۔ الغرض ہر قسم کی دھونس اور

دھاندلی بھی اس میں شامل ہے۔

۵۔ فَحشاء کے متعلق ارشاداتِ ربّانی:

(ا) "شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمھیں فحشاء (شرمناک طرزِ عمل) اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر اللہ تمھیں اپنی بخشش اور فضل کی اُمید دلاتا ہے۔ اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے۔" [۲] ۲ : ۲۶۸

(ب) "جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے گروہ میں فحش پھیلے، وُہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اگر اللہ کا فضل اور اُس کا رحم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق و رحیم ہے (تو یہ بات بدترین نتائج پیدا کرتی)۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ اگر کوئی اُس کی پیروی کرے گا تو وہ تو اُسے فحش اور بدی کا حکم دے گا۔" [۳] ۲۴ : ۱۹-۲۱

یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی بھی فحش اور بداخلاقی پھیلائے گا اور مسلمانوں کے اخلاق بگاڑنے کا ارتکاب کرے گا، وہ سخت عذاب کا سزاوار ہو گا۔ اس میں ہر قسم کے فحاشی کے اڈّے اور ادارے قائم کرانا اور چلانا شامل ہے۔

(ج) "زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ بہت فحش کام اور بڑا ہی بُرا راستہ ہے" [۴] ۱۷ : ۳۲

فرمایا گیا ہے، یہی کافی نہیں کہ زنا سے بچو بلکہ یہ ضروری ہے کہ تمام ایسے افعال حرکات اور تقریبات سے دور رہا جائے جو ناپاک ماحول پیدا کریں اور زنا کے لئے محرّک ہوں۔

(د) "اور بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ ظاہر ہوں، خواہ پوشیدہ" ۶ : ۱۵۱

قرآن حکیم میں فحشاء کے زمرے میں زنا، اغلام یا لواطت، برہنگی، جھوٹی تہمت اور باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کا ذکر آیا ہے۔ حدیث شریف میں چوری، شراب نوشی اور بھیک مانگنے کو فواحش میں شمار کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے شرمناک افعال کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ اور خدا کا حکم ہے کہ یہ افعال خواہ اعلانیہ ہوں، خواہ خفیہ، ان کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔

۶۔ منکر کے متعلق ارشاداتِ ربانی:

(ا) "منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے مانند ہیں۔ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔ یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں۔" ۹ : ۶۷

(ب) "مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔" ۹ : ۷۱

(ج) "اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنھیں ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔" ۲۲ : ۴۱

۷۔ فحشاء اور منکر کے خلاف عوامی تحریک:۔ ارشاد ہے:

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو (لوگوں کو) نیکی کی دعوت دیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ

کام کریں گے، وہی فلاح پائیں گے۔" ۳: ۱۰۴ [9]

قوم پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ ایسی جماعتیں ترتیب دے جو نیکی کی تبلیغ کریں اور بُرائی کے خلاف جدوجہد کریں۔ ہر شخص پر لازم ہے کہ ہر ایسی جماعت کی مدد کرے، بشرطیکہ اُس جماعت کے لوگ مسلمانوں میں تفرقہ نہ پھیلائیں اور فروعی اور جزوی مسائل کو غیر ضروری اہمیت دے کر لوگوں میں پھوٹ نہ ڈالیں۔ اُن کا کام یہ ہو کہ وہ لوگوں تک خدا کا پیغام ایمانداری سے پہنچائیں اور اُس میں مرچ مصالحہ لگا کر افراط و تفریط کی صورت نہ پیدا کریں کہ سادہ لوگ پریشان ہو کر رہ جائیں یا خود ساختہ رسم و رواج میں اُلجھ جائیں۔

۸۰۔ بغی: یعنی سرکشی یا ایک دوسرے پر زیادتی۔ قرآن مجید میں سرکشی کی مثال کے طور پر قارون کے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

"قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ایک شخص تھا۔ مگر وہ اپنی قوم کے خلاف سرکش ہو گیا۔ ہم نے اُسے اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اُن کی کنجیاں طاقتور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اُٹھا سکتی تھی۔ ایک دفعہ جب قوم کے لوگوں نے اُس سے کہا۔ اِتراؤ مت (کیونکہ) اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے، اُس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر۔ اور دنیا سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر، جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا تو اُس نے کہا "یہ سب کچھ تو مجھے اُس علم کی لیاقت کی بناء پر ملا ہے۔ جو مجھ کو حاصل ہے"..... آخر کار ہم نے اُسے اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔" ۲۸: ۷۶-۸۱ [10]

۹. بغی کے متعلق اِرشاداتِ ربّانی:

(۱) "اور اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو اُن کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر اُن میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔" ۴۹ : ۹ [11]

(ب) "اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں، اُن کو ملامت نہیں کی جا سکتی۔ ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔" ۴۲ : ۴۰-۴۲ [12]

۱۰. تفرقہ پردازی: سب سے بُری شکل جو بغی نے اختیار کی وہ اہلِ کتاب میں تفرقہ پردازی بیان کی گئی ہے کہ دین کے واضح ہو جانے کے بعد علماء اور راہ نمائی کے دوسرے دعویٰ داروں نے آپس میں ضدم ضدا تفرقہ پردازی کی تاکہ ایک دوسرے پر زیادتی کر سکیں یا ایک دوسرے سے بازی لے جائیں۔ فرمایا:

"لوگوں میں جو تفرقہ رونما ہوا، وہ اس کے بعد ہوا کہ اُن کے پاس علم آچکا تھا۔ اور اِس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ اگر تیرا رب پہلے ہی یہ نہ فرما چکا ہوتا کہ ایک وقتِ مقرر تک فیصلہ ملتوی رکھا جائے گا تو اُن کا قصہ چکا دیا گیا ہوتا۔" ۴۲ : ۱۴ [13]

"اِس سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوّت عطا کی تھی۔ اُن کو ہم نے عمدہ سامانِ زیست سے نوازا۔ دنیا بھر کے لوگوں پر ہم نے اُنہیں فضیلت عطا کی اور دین کے معاملے میں اُنھیں

واضح ہدایات دیں۔ پھر جو اختلاف اُن کے درمیان رونما ہوا (وہ ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ) علم آجانے کے بعد ہوا۔ اور اِس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔"

۱۴

۴۵ : ۱۶، ۱۷

یہ اہلِ کتاب کی دین کے معاملے میں تفرقہ پردازی کا ذکر ہے۔ اس پسِ منظر میں ہمیں اہلِ اسلام کی آپس میں تفرقہ پردازی اور مسلک بازی پر غور کرنا چاہیئے کہ ہم نے بنیادی دین سے قطع نظر کرکے رسم و رواج، بدعات اور جزئیات کو اصل دین بنا کر کس قدر اختلافات کو ابھارا ہے کہ اہلِ اسلام کے مختلف مکاتبِ فکر کے متعلق کفر کے فتاویٰ کو اکٹھا کیا جائے تو بہت کم لوگ ایسے ملیں گے جو اِن فتاویٰ کی زد سے بچے ہوں۔

امّت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر

ممنوں بہت فقیہو اسلام ہے تمہارا۔ (حالی)

آیئے ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں اختلافات سے احتراز کریں۔ اور ظنّ المؤمنین خیراً پر عمل کرتے ہوئے ہر ایک کلمہ گو کی عزّت کا پاس رکھیں۔ اور امّت میں اتفاق و اتحاد کے جذبہ کو بیدار کرکے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے ایک بُنیانِ مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بنا دیں تاکہ اسلام اور اہل اسلام کی آواز میں زور اور اُن کی صفوں میں قوّت ہو۔

قرآنی آیات محولہ باب

①

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ وَ إِيتَآئِ
ذِى الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنكَرِ
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ ۱۴ : ۹۰

②

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللَّهُ
يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾
۲ : ۲۶۸

③

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ
فِى الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾ يَآ أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ ۚ وَمَن
يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ ۚ

۲۴ : ۲۱-۱۹

(٤)

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٣٢﴾

١٧ : ٣٢

(٥)

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ج

٦ : ١٥٢

(٦)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ
مِّنْۢ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ط نَسُوا اللّٰهَ
فَنَسِيَهُمْ ط اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾

٩ : ٦٧

(٧)

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ م
يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

٩ : ٧١

(٨)

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ
الْمُنْكَرِ ط

٢٢ : ٤١

⑨

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
٣ : ١٠٤

⑩

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ
مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ
اُولِى الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ
الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ
اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ
فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٧٧﴾
قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ
اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ
هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ
عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ
فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ

عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ
اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا
الصَّابِرُونَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ ۖ

٢٨ : ٨١-٧٦

⑪

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ
فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ
إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ ٩ : ٤٩

⑫

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ
انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ ﴿٤١﴾
إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَ
يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ ٤٢ : ٤٢-٤٠

(۱۳)

وَ مَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ

۴۲ : ۱۴

(۱۴)

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ
وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶
وَ اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ

۴۵ : ۱۶-۱۷

باب دوازدہم

حاصلِ کلام

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ ابواب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اُسے مستحضر کر لیا جائے تاکہ وہ پورے طور پر واضح ہو جائے۔

ظاہر بین آنکھیں یہ سمجھتی ہیں کہ مخلوقات میں سے پہاڑ، دریا، سمندر اور دوسرے بے شمار مظاہرِ قدرت ہزاروں برس تک قائم رہتے ہیں اور اُن کی زندگیاں بہت طویل ہیں۔ اس کے برعکس انسان کو، اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود، دنیا میں نہایت مختصر زندگی گزارنے کے بعد فنا کے گھاٹ اترنا پڑتا ہے۔ یہ بات اُس کی اَنا (EGO) کو مضطرب رکھتی ہے اور وہ اس فکر اور کوشش میں رہتا ہے کہ اُسے اَبدی زندگی یا مظاہر قدرت کی طرح نہایت طویل زندگی ہی حاصل ہو جائے۔ بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں کا انسانی زندگی کا تصور صحیح نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی جتنی کچھ بھی ہے، یہی دنیا کی مختصر زندگی ہے، جو موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ ان کے خیال میں موت کے معنے ہیں بالکل فنا اور معدوم ہو جانا۔ درحقیقت ایسا نہیں۔ اگر دنیا کا کارخانہ صرف اس لئے ہے کہ ایک مدت تک چلتا رہنے کے بعد کسی نتیجے کے بغیر معدوم ہو جائے تو یہ ایک لغو اور عَبَث فعل ہوگا۔ اگر ہم مانتے ہیں کہ یہ کارخانہ خدا نے بنایا ہے جو علیم اور حکیم ہے تو لازماً یہ بھی

ماننا پڑے گا کہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی شے بھی بے مقصد وجود میں نہیں آئی کہ بے حاصل اور بے نتیجہ معدوم ہو جائے۔ خصوصاً انسان اشرف المخلوقات ہے اور جس کی ہستی اِس کائنات کے تدریجی ارتقاء کا ماحصل ہے اور جسے عقل وفکر، بنیش و دانش، اختیار و ارادہ سے آراستہ کیا گیا ہے، اُس کی تخلیق کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس دنیا میں چند برس زندہ رہنے کے بعد مر کر معدوم ہو جائے۔

قرآنِ حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ جس طرح دنیا کی ہر چیز اپنی ایک عمر رکھتی ہے، اسی طرح اِس پورے نظامِ عالم کی بھی ایک عمر ہے، جس کے پورا ہو جانے پر کائنات کا یہ پورا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا اور ایک اور نظام اس کی جگہ لے گا۔ اس نظام کے قوانینِ طبیعی موجودہ نظام کے قوانینِ طبیعی سے مختلف ہوں گے۔ اس نئے نظام میں انسان کو ایک نئی جسمانی زندگی ملے گی، اور ایک عدالتِ عالیہ قائم ہوگی۔ ہر انسان پروردگارِ عالم کی اُس عدالتِ عالیہ میں حاضر ہو کر ہر چیز کا حساب دے گا۔ اس کے وہ تمام اعمال جو اُس نے اس دنیا کی زندگی میں انجام دیئے تھے، ٹھیک ٹھیک جانچے اور تولے جائیں گے۔ اچھے اور نیک اعمال کی اچھی جزا ملے گی، یعنی سعادت و کامیابی کی ابدی زندگی۔ اور بُرے اعمال کی بُری سزا دی جائے گی۔ یعنی بدبختی اور نامرادی کی ابدی زندگی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا انسان کے لئے ایک عارضی قیام گاہ ہے۔ انسان کے لئے صرف اتنی ہی زندگی نہیں جو موت پر ختم ہو جاتی ہے، بلکہ موت کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے جو اس زندگی سے زیادہ طویل ہے۔ اُس زندگی کے فوائد دنیوی زندگی کے فوائد سے کہیں زیادہ اور پسندیدہ ہیں۔ اُس کے نقصانات بھی یہاں کے نقصانات سے زیادہ ناگوار اور سخت ہیں۔

اُس زندگی کی لذتیں اور راحتیں یہاں کی راحتوں اور لذتوں سے کہیں بہتر۔ اور اُس کی تکلیفیں اور سختیاں یہاں کی تکلیفوں اور سختیوں سے کہیں زیادہ تلخ ہیں۔ اس مضمون کو قرآن حکیم میں کثرت سے بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ بات انسان کے دل میں اُتر جائے۔

قرآن حکیم یہ بات بھی انسان کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ انسان کی دنیوی زندگی دراصل اس کی پوری زندگی کا مقدمہ ہے اور آخرت کی زندگی کی تیاری کی مہلت ہے۔ دنیا کی زندگی عارضی ہے اور آخرت کی زندگی پائیدار۔ یہ زندگی ناقص ہے اور وہ زندگی کامل۔ مسلّمہ امر ہے کہ انسانی اعمال کے پورے پورے نتائج اس عارضی زندگی میں مُترتب نہیں ہوتے۔ ایک بدکار پوری زندگی شرارتوں اور گناہوں میں گزار دیتا ہے مگر اسے ان شرارتوں اور گناہوں کی پوری سزا نہیں ملتی اور بعض بدکار تو صاف بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض آدمی عمر بھر نیکی کرتے رہتے ہیں مگر اُن نیکیوں کا پورا ثمرہ انھیں نہیں ملتا، بلکہ بعض صورتوں میں تو انھیں نیکیوں پر عبرت ناک سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں۔ جزا اور سزا کے اس نقص کی تکمیل آخرت کی زندگی میں ہوگی۔ جو اعمال یہاں بے نتیجہ اور بے ثمر رہ جائیں گے، ان کے حقیقی نتائج اور ثمرات وہاں ظاہر ہوں گے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے اعمال کے اُن نتائج ہی پر نظر نہ رکھے جو اس دنیوی زندگی میں مترتب ہوتے ہیں بلکہ اُن نتائج پر بھی نظر رکھے جو اس دوسری زندگی میں مترتب ہوں گے۔

قرآن حکیم یہ نہیں کہتا کہ انسان دنیا کو ترک کر دے اور اس کے معاملات اور اس کی نعمتوں اور لذّتوں کو اپنے اوپر حرام کر لے۔ دنیا نہ تو کوئی نفرت اور ترک کرنے کی چیز ہے اور نہ ایسی چیز ہے کہ انسان اس پر فریفتہ ہو کر اسی کا

ہو کر رہ جائے۔ یہ دنیا انسان کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ اسے برتے اور خوب برتے۔ مگر بھلے اور بُرے، پاک اور ناپاک، حلال اور حرام، پسندیدہ اور ناپسندیدہ کے فرق کو ملحوظ رکھ کر برتے۔ اپنے حواس، اپنے اعضا اور اپنے جسمانی اور ذہنی قویٰ کو صحیح طریقے پر استعمال کرے۔ اور اس بات کو نہ بھولے کہ دنیا دارُ العمل ہے، سعی و کوشش کی جگہ ہے۔ اور آخرت دارالجزا ہے، نیکی اور بدی کے پھل اور اعمال کی جزا و سزا کا گھر ہے۔ انسان کو موت تک عمل کی مہلت ہے۔ اس کے بعد یا تو دائمی سعادت و کامرانی سے ہم کنار ہو جائے گا یا ہمیشہ کی بدبختی اور نامرادی اس کے حصہ میں آئے گی۔ خوش نصیب اور دانشمند ہے وہ انسان جو دنیا کی مختصر زندگی کی ناپائیدار آسائشوں اور لذتوں میں گم ہو کر رہ جانے کے بجائے آخرت کی طویل زندگی کو خوش حالی، سعادت اور کامرانی کی زندگی بنانے کی فکر کرے اور اپنے افکار اور اعمال کی قدریں پوری زندگی کی فلاح و بہبود کو ملحوظ رکھ کر متعین کرے۔

قرآن حکیم انسانی زندگی کے لئے بہترین اور کامل دستور العمل ہے۔ اس میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق واضح ہدایت اور رہنمائی کا سامان ہے۔ گذشتہ ابواب میں اس دستور العمل کی جن اہم اور اساسی دفعات کی وضاحت کی گئی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ انسان کو سب سے پہلے خدا کی ہستی، اس کی صفات اور اس کی قدرت کا علم اور یقین ہونا چاہیئے۔ اس کا سچے دل سے اس بات پر ایمان ہونا چاہیئے کہ خدا ایک ہے اور خدائی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ایک خدا آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے، سب کا خالق، پروردگار، مالک اور حاکم ہے۔ وہ سب کچھ دیکھنے والا، سب کچھ سُننے

والا ہے۔ اسے ہر بات کی خبر ہے اور وہ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے۔ انسان کو اس نے اشرف المخلوقات کے مرتبے پر فائز کر کے زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے، اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے انسان کا فرض ہے کہ قانونِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرے۔ جو بات خدا تعالیٰ کو پسند ہو، وہ کرے اور جو بات اسے ناپسند ہو اس سے پرہیز کرے۔ اسے آخرت کی زندگی کا اور خدا تعالیٰ کی عدالتِ عالیہ میں پیش ہو کر دنیوی زندگی کے اعمال کی جواب دہی کا بھی پورا علم اور یقین ہونا چاہیئے، اور یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ قانونِ الٰہی کی پیروی کرنے کا کیا انعام ہے اور اس کی خلاف ورزی کا کیا انجام ہے۔

۲۔ خدا کی ذات، اس کی صفات، اس کی قدرت، اس کے پسندیدہ طرزِ زندگی کے اور آخرت کی جزا و سزا کے علم کا ذریعہ آسمانی کتابیں ہیں۔ سب سے آخری اور مکمل آسمانی کتاب قرآنِ حکیم ہے۔ قانونِ الٰہی پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے رسولوں کی پیروی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفٰے (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) ہیں۔ چنانچہ اب قیامت تک کے لئے زندگی بسر کرنے کا سیدھا اور صحیح راستہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن حکیم اور حضرت محمد مصطفٰے (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کی سنّت کے سوا نہیں ہے۔ حضرت محمد مصطفٰے (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے خدا کے پیغمبر ہیں۔ ان پر پیغمبری اور نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ اب جو شخص سعادت و کامرانی کی ابدی زندگی کا طالب ہے، اس کے لئے لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کے آخری نبی اور پیغمبر پر ایمان لائے، جو تعلیم انھوں نے دی ہے اس کو سچے دل سے مانے اور جو طریقِ زندگی انہوں نے بتایا ہے، اس کی پوری پوری

پیروی کرے۔

۳۔ عقیدہ اور ایمان محض کسی تصور یا زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ ایسی تصدیق اور ایسے یقین کا نام ہے جو دل کی گہرائیوں میں اُتر کر انسان کے ارادے کو حرکت میں لائے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں پر اُبھارے اور بدی اور شرارت سے روکے۔ ایمان انسان کو جن نیک اعمال پر اُبھارتا ہے، اُن میں سے جن دو کا ذکر قرآن حکیم میں بڑی کثرت سے آیا ہے، وہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو اسلام میں بنیادی نیکیوں کی حیثیت حاصل ہے اور باقی ساری نیکیاں انہی دو بڑی نیکیوں کے برگ و بار ہیں۔ صلوٰۃ درحقیقت تمام نیکیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے، سب کی کلید ہے، سب کی مددگار اور سب کے حصول کا ذریعہ ہے، یوں سمجھیے کہ اسلامی شریعت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے اور شریعت کا بقاء اور قیام اِسی پر منحصر ہے۔ زکوٰۃ انسان کا تعلق اپنے ابنائے جنس کے ساتھ صحیح بنیاد پر قائم کرتی ہے۔ زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت ہمیشہ گردش میں رہے، تمام افرادِ قوم میں بٹے، صرف دولت مندوں اور امرا کے گروہ ہی میں محصور ہو کر نہ رہ جائے۔ بلکہ دولت مندوں سے لے کر معاشرے کے حاجت مندوں کو دی جائے۔ نماز ان تمام احکام شریعت کا سرچشمہ ہے جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور زکوٰۃ ان تمام احکام کا منبع ہے جو حقوقُ العباد سے متعلق ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی قابلِ ذکر مذہب ایسا نہیں ہے جس نے حاجت مندوں کی اعانت اور ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی کی تلقین نہ کی ہو اور اُسے عبادت کا لازمی جزو نہ قرار دیا ہو۔ لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے کہ اس نے اس کام کو اس قدر اہمیت دی کہ عبادات میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا۔ قرآن حکیم

نے ایمان کے بعد ہر جگہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کسی بھی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دو عمل ہیں، اور اگر کوئی جماعت بحیثیتِ جماعت نماز اور زکوٰۃ کو ترک کر دے تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جو شخص اپنے خالق اور پروردگار کے حقوق کو بھی کماحقہ ادا کرتا ہے اور خلقِ خدا کے حقوق کو بھی پہچانتا اور ادا کرتا ہے، وہ کامل نیکی کے مقام کو پالیتا ہے اور اس پر سعادت و کامرانی کی ابدی زندگی کی راہ کھل جاتی ہے۔

۴۔ اگر آدمی قرآن حکیم کے دیئے ہوئے دستور العمل کے مطابق اپنے عقیدے کو درست کر کے، خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، خلوص اور صدقِ دل سے اقامتِ صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا پابند ہو جائے تو وہ آئینِ الٰہی کی ہر ہدایت پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے گا۔ اپنی سیرت کو نیکیوں سے آراستہ کرنے اور برائیوں سے پاک کرنے کی کوشش کرے گا۔ قرآنی دستور العمل کی رو سے، افراد میں پاکیزہ سیرتوں کی تشکیل اور ایک پاکیزہ اور خوشحال معاشرے کی تعمیر، بقا اور ارتقا کے لئے تین بنیادی نیکیوں کا اختیار کرنا اور پھیلانا اور تین بنیادی برائیوں سے بچنا اور انھیں مٹانا نہایت ضروری ہے۔

قرآنِ حکیم جن نیکیوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے، ان کی بنیادیں تین ہیں: عدل، احسان، اور ایتاءِ ذِی الْقُربیٰ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ عدل کو اپنا شیوہ بناؤ۔ ہر معاملے میں انصاف کرو۔ عدل یہ ہے کہ جس کا جو حق ہم پر واجب ہے، بے کم و کاست اُس کو ادا کیا جائے، صاحبِ حق خواہ کمزور ہو یا طاقت ور، دوست ہو یا دشمن۔ عدل درحقیقت تمام محاسنِ اعمال کی اصل ہے۔ جس انسان کے اندر یہ بات پیدا ہو گئی کہ جو بات بھی کی جائے، انصاف کے ساتھ

کی جائے، اس نے سب کچھ پالیا۔

دوسرا وصف جو ہر انسان کو اپنے اندر لازماً پیدا کرنا چاہیئے، وہ احسان ہے، جس سے مقصود دوسروں کے ساتھ حسنِ عمل یا بہترین سلوک ہے۔ جو بات کی جائے حسن وخوبی سے کی جائے، نیکی اور بھلائی اور خیر خواہی کی ہو۔ ہر عمل کی بنیاد ہمدردی اور فیاضی ہو، برائی اور بُخل نہ ہو۔ احسان، عدل سے زائد شے ہے۔ یہ صرف حق کی ادائیگی کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ مزید برآں یہ تقاضا کرتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ہمارا معاملہ فیاضانہ اور کریمانہ ہو۔ والدین کے ساتھ بہترین سلوک، خصوصاً بڑھاپے میں دلی محبت اور کامل سعادت مندی کے ساتھ ان کی خدمت بھی احسان کے تحت آتی ہے۔

تیسری بنیادی نیکی ایتاءِ ذِی القُربیٰ، یعنی قرابت داروں کو مالی امداد دیتے رہنا ہے۔ جو لوگ ہم سے قریب کا رشتہ رکھتے ہیں، وہ ہمارے حسنِ سلوک کے حق دار ہیں۔ ایتائے ذی القربیٰ، احسان کی ایک اہم شاخ ہے۔ قرابت دار، قرابت کی وجہ سے، عدل اور احسان کے علاوہ مزید مالی امداد کا مستحق ہوتا ہے۔ ہر صاحبِ مال کو چاہیئے کہ اپنے مستحق رشتہ داروں پر فیاضی سے خرچ کرے۔ قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ ہر مالدار کے مال میں اس کے قرابت داروں کا حق ہے۔ یہ محض اخلاقی ذمہ داری نہیں بلکہ حقِ واجب کی ذمہ داری ہے جس کا ادا کرنا ہر صاحبِ مال پر لازم ہے۔ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ غیروں سے پہلے اپنے رشتہ داروں کی خبر لے۔ اگر ایک شخص خوشحال ہے اور اس کا رشتہ دار تنگ دستی اور محتاجی میں گرفتار ہے تو اس کی دست گیری کرے۔ نہیں کرے گا تو یقیناً عِندَاللہ جوابدہ ہو گا، کیونکہ صلہ رحمی کا حق خدا کا ٹھہرایا ہوا حق ہے۔

قرآنِ حکیم انسان کو جن برائیوں سے خاص طور پر روکتا ہے، ان کی بنیادیں

بھی تین اساسی برائیاں ہیں، جو یہ ہیں: فَحشَاء[1]، مُنکَر[2] اور بَغیِ[3]۔ فَحشاء کھلی ہوئی بے حیائی اور بدکاری کو کہتے ہیں، مثلاً زنا، عملِ قومِ لوط (اغلام)، عریانی، رقص و سرود اور اسی طرح کے دوسرے بے حیائی کے کام۔ مُنکَر، معروف کا ضد ہے۔ معروف اچھے کاموں کو کہتے ہیں، ایسے کام جنھیں فطرتِ سلیمہ پسند کرے اور ہر پاکیزہ سوسائٹی میں بنظرِ استحسان دیکھے جاتے ہوں۔ منکر سے مُراد وہ اعمال ہیں جنھیں عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ پسند نہ کرتی ہو اور جو اچھی سوسائٹی کے آداب اور طور طریقوں سے خلاف ہوں۔ بَغیِ کے معنی ہیں سرکشی، ظلم اور زیادتی، یعنی آدمی اپنی طاقت، زور اور اثر و رسوخ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر دوسروں کو دبائے اور اُن کے حقوق کو پامال کرنے کی کوشش کرے۔ قرآن حکیم جس عدل کی تعلیم دیتا ہے اس کی سب سے اہم دفعہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہے۔ جب ہمارا خالق، رازق اور مالک خدائے واحد کے سوا اور کوئی نہیں تو اس کے حقوق میں کسی اور کو ساجھی بنانا عدل کے منافی اور بہت بڑا ظلم ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگر آدمی اپنے عقیدے اور ایمان کو قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق درست کر لے، عملی زندگی میں رسولِ اکرم (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی اتباع کو اپنا شعار بنا لے، اسلامی عبادات میں سے دو بنیادی عبادات یعنی اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا صدقِ دل سے پابند ہو جائے، اپنی سیرت کو تین بنیادی نیکیوں سے آراستہ کر لے اور تین اساسی برائیوں سے پاک کر لے تو اِس کمالِ ایمان و عمل کی برکت سے وہ اس اعلیٰ مقام پر فائز ہو سکتا ہے، جس پر فائز ہونیوالوں کے بارے میں قرآن کریم نے یہ بشارت دی ہے کہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ یعنی اللہ تعالیٰ اُن سے خوشنود ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوشنود ہوئے۔ گویا انھیں سعادت اور کامرانی کی ابدی زندگی حاصل ہو گئی۔

تصویبات

(درج ذیل آیات کے ترجمے سہواً کتابت سے رہ گئے ہیں۔ قارئین کرام نوٹ کرلیں)

صفحہ ۵۹۔ "تم سے پہلے بہت سے دَور گزر چکے ہیں۔ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جنھوں نے (اللہ کے احکام اور ہدایات کو) جھٹلایا"۔ $\frac{۱۳}{۳ : ۱۳۸}$

صفحہ ۶۰۔ "اور اُس کی نشانیوں میں سے تمھارا رات اور دن کا سونا اور تمھارا اُس کے فضل کو تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو غور سے سُنتے ہیں۔ اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمھیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے، خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی۔ اور آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اُس کے ذریعے زمین کو اُس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں، اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں"۔ $\frac{۱۷}{۳۰ : ۲۳، ۲۴}$

- 'اور رات اور دن کی ایک دوسرے کے بعد آمد و شُد میں، اور اُس رزق میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے، پھر اُس کے ذریعے مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں"۔ $\frac{۱۸}{۴۵ : ۵}$
- کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو وہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔" $\frac{۲۱}{۴ : ۸۲}$
- یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے، جو (اے نبیؐ)، ہم نے تمھاری طرف نازل کی ہے، تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں، اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں"۔ $\frac{۲۲}{۳۸ : ۲۹}$

تصحیح اغلاط

صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۲ :	۳۵	۳۴
۹ : ۱۱، ۱۲	زمادہ سے زیادہ	زیادہ سے زیادہ
۱۴ : ۱	صلہ رحمی	صلہ رحمی :
۲۸ :	یہ ایک سجدہ ہے جسے	یہ ایک سجدہ جسے
۳۴ :	صفحہ کا نمبر نہیں لکھا گیا	
۴۴ : ۱۶	خدیجہ	خدیجہ رضؓ
۴۸ : ۷	دررد	درُود
۵۵ : ۱۹	گے	کے
۹۶ : ۱۴	لے آرام	بے آرام
۱۲۳ : ۴	پسّںد	پسند

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے ۔ یہ عقل و دانش اور علم وحکمت کا خزینہ ہے ۔ یہ انسان کو زندگی بسر کرنے کا وہ سیدھا راستہ دکھاتی ہے جس پر چل کر وہ دنیا میں ایک پاکیزہ اور کامیاب زندگی بسر کر سکے اور آخرت میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور سعادت و کامرانی کی ابدی زندگی سے ہمکنار ہو سکے ۔ جن باتوں میں لوگ باہم اختلاف کرتے ہیں یہ انھیں واضح کرتی ہے ۔ اس کتابِ برحق میں انسانی زندگی کے ہر مسئلے کا شافی جواب ہے مختصر یہ کہ یہ مقدس کتاب بنی نوعِ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے ۔

جو شخص قرآن حکیم کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو نہ سنوارے گا، وہ دنیا میں بدنصیبی کی ٹھوکریں کھائے گا، اور آخرت میں اپنی بدبختی پر خود اپنا سر پیٹے گا، مگر اُس وقت کا پچھتانا کچھ کام نہ آئے گا۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھ کر پڑھے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق سنوارے ۔ ایسا نہ ہو کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے یہ شکوہ کریں کہ:

"پروردگار، لوگوں نے قرآنِ حکیم کی قدر نہ کی بلکہ ناقدری کے ساتھ ٹھکرا دیا"

تو آپ اس شکوے کے مصداق ثابت ہوں ۔

پروردگار، ہم سب کو قرآن مجید سمجھ کر پڑھنے اور اس پر پورے
عمل کرنے کی توفیق عطا فرما ۔ آمین

ہدیہ : گیارہ روپے پچاس پیسے

ISBN 969-30-1234-8